

اعتبار محبت

عالیہ حرا

”قسم ایک کیت پرور، حاسد اور منافق لڑکی ہو مجھے
 سو پر افسوس اور ندامت ہے کہ میں نے تمہارا انتخاب
 کیا ہے۔ پتہ پیادوں کا دل دکھایا اور یہ مجھے دل دکھانے
 کی سزا دی ہے۔ تم میرے لیے محبت نہیں سزاؤ مجھے نفیق ماں
 کا دل دکھانے کی سزا ملنی چاہیے۔“ عباد کے لہجے میں
 نکا اور آنکھوں میں غم تھا۔۔۔ شایان سناکت تھی۔
 ”کس قدر چرب زبان، جھگڑالو اور طعنت زن ہو تم،
 ست تم پر ختم ہے، انوائیں پھیلانے میں تم ماہر ہو، کوئی
 موصیت تم میں گھر بسانے کی ہے، پچھلے ڈیڑھ سال

کے عرصے میں تم نے مجھے کیا دیا ہے سوائے دکھ
 درد مسلسل اور جلن کے۔ تم ایک بد فطرت عورت ہو
 میں گھر بسانے کی صلاحیت ہے ہی نہیں۔ میرا دل
 ہے کہ میں دیوار سے سر ٹکرا کر مر جاؤں یا اس درخت
 دوبارہ دسترس میں کر لوں جب میں نے تمہارا انتخاب
 تھا۔ کیا ہے تمہارے اندر؟۔۔۔ سوائے اس جیسے
 کے۔ اس چہرے نے مجھے جتنی اذیت دی ہے، کوئی
 سے پوچھے خوبصورت چہرے کی اصلیت۔۔۔“
 عباد کے منہ سے کف نکل رہا تھا اسے شایان



تھی۔ غنودگی نے اس کے وجود کو حواس کی زندگی سے جدا کر دیا۔ جس سے اس کی نفس پرورش نہیں تھی بلکہ اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔
 آٹنی سارہ۔ ہنسی۔ ہنسی پکارتی پکارتی حواس بالحد
 انداز میں اندر آئیں، ابھی لان میں انہوں نے عہد کو
 تیزی سے باہر نکلتے دیکھا تھا۔ پیچھے سے انہوں نے
 آواز میں بھی دی تھیں مگر وہ جھٹکے سے گاڑی اسٹارٹ
 کر کے نکلتا چلا گیا تھا۔
 حواس بالحد تھی آٹنی سارہ، شایان کو جھنجھوڑ رہی
 تھیں۔ "شایان۔ شایان۔ شایان۔ شایان۔ شایان۔ شایان۔"

میری بھابی، میری بہنیں، میری ماں بری
 تھیں تم بری ہو تم۔ اتھارے اندر کینا اور شخص بھرا
 ہے جن کے اندر اچھائی نہ ہو انہیں دوسروں کی اچھائی
 نظر آتی نہیں سکتی۔ یہ مجھ پر آج کھلا ہے۔ شکر ہے خدا کا
 کہ تم میں نہیں ہے ہو تمہاری اولاد تمہاری طرح عاشق
 رہتی میں اپنی زندگی اور آنے والی زندگی کو مزید غفلت
 کی لذت میں گر سکتا۔ میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ تمہارے
 جیسی لڑکیاں صرف جیسے اور وقت گزارنے کے لیے
 ہوتی ہیں، میں احمق تھا جو تم سے شادی کر بیٹھا۔ مگر وقت
 اب بھی گزرا نہیں ہے۔ وقت اب بھی میرے ہاتھ میں ہے
 اور میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ "شایان کا دل اچھل کر حلق
 میں آ گیا۔ اس کے اندر بولنے کی صلاحیت ختم ہو گئی
 تھی۔ نگاہ اٹھا کر کھڑے ہوئے عباد کو دیکھا۔ تفرانہ نگاہ
 نے اسے بھسم کر ڈالا۔
 "تمہیں پھوڑنے کا فیصلہ۔"
 محبت رشتہ سفر باندھ کر پرواز کر چکی تھی۔ اس جگہ
 پر سوانحیاں اور بدنامیاں دھول اڑا رہی تھیں، عباد وہاں
 جا رہا تھا۔
 "غفلت ہے میری زندگی پر۔" اس کے پیچھے
 بھاگنے کی خواہش میں کھڑی ہوئی شایان کے قدم کسی
 نے سمجھ لیے۔
 "غفلت ہے میری زندگی پر۔" وہ دھم سے کاؤچ پر
 گر گیا۔ اسے روکنے کی خواہش رہی وہ پڑھ کر کھڑکی۔
 "غفلت ہے میری زندگی پر۔" آنکھیں جھٹکتی گئیں،
 مسلسل نے اس کے وجود کا احاطہ کر لیا اور پھر اس کے
 وجود میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔
 غنودگی کی حالت میں بند ہوتی نگاہوں کے پیچھے
 عباد کا دل کھل گیا تھا۔ اس کے وجود میں محبت، صلاحیت

ہو تو لے کر دیکھیں گے تا پریشانی کو دمع کرنے میں یہ
 چونکہ تو چٹ مٹی ہے۔ اسی پریشان کیوں نہ ہوں۔ چھوٹا
 لاڈلا بیٹا آپ سیٹ رہنے لگا ہے۔" بڑی بھابی نے
 دونوں دیواروں کو دیکھا۔
 "ویسے وہ ساتھ کیوں نہیں آئی؟" ندانے دونوں
 سے پوچھا۔
 "مگر دی ہوگی پھر کوئی پریشانی والی فرمائش۔"
 راحہ بولی۔
 "نہیں آئی تو اچھا ہے، کچھ لمحے اسن سے گزریں
 گے۔ یہ عباد نے جانے کیوں اتنی ڈھیل دے رکھی ہے،
 ذرا تا ہے اس سے شاید۔" ندابولیں۔
 "اب تو میں بھی بھی اسے منہ نہ لگاؤں۔" بڑی
 بھابی بولیں۔
 "اور کیا اس نے اس قابل پھوڑا ہے کسی کو کہ اس
 کی جانب دیکھا جائے گا۔" عبادن کر کھڑا ہو گیا۔
 یہ اس کی تینوں پیاری بھابیوں کی رائے تھی اس کی
 بیوی کے بارے میں اپنے لاڈلے دیوار کی منکوحہ کے
 بارے میں زریں خیالات۔ تھکے تھکے قدموں سے
 چلا وہ اوپر اپنے بیڈروم میں آ گیا۔ غلاست سے حواس
 کا کمر، اترنے سے رکھی چیزیں، وہ اپنے بیڈ پر گر گیا۔
 بے اختیار آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ وہ چھت پر چلے گئے
 کو دیکھے گیا۔
 "مجھے اس گھر کی خوشیاں عزیز ہیں۔ مجھے آپ
 سب کے ہنسنے سکرانے چہرے اچھے لگتے ہیں۔ مجھے امی
 جان کی شفیق دعاؤں کی ضرورت ہے۔ میں اسے پھوڑ
 دوں گا۔" چہرہ گھما کر سائیکل بیل پر رکھی اپنی شادی کی
 تصویر کو دیکھا۔ ساتھ ہی آنکھوں کے گوشوں سے پانی
 اگل کر بالوں میں جذب ہوئے لگا۔
 "تم نے مجھے کہیں کانٹوں رکھا۔ کتابرا بھادرا ہے تم
 نے مجھے گمراہیوں کی نظر میں۔" نگاہ گھما کر شفیق چہرے
 پر دکھایا، اس کے دل کے دروازے پر پانی کی ضرورت تھی۔
 وہ ہوش ہوا کہ وہ بھادرا تھا۔ کہیں وہ بھادرا تھا۔
 شایان اس سے تھوڑی شایان کو جانے کی کوشش کر
 رہے تھے اور کچھ۔

خوبصورت چہرے ہی دراصل بدصورت چہرے
 ہوتے ہیں۔ "بڑی بھابی اندر آ گئی تھیں۔
 "امی جان جاگ رہی ہیں؟" ندانے پوچھا۔
 "ہاں، جاگ رہی تھیں، پریشان تھیں۔ گاڑی کی
 آواز سن کر میں نے اسٹ آف کر دی، بابا اب میری میں
 تھے۔" بڑی بھابی ان کے برابر میں بیٹھ گئیں۔
 "عبادان کے کمرے میں جاتا تو وہ ساری رات سو
 نہیں سکتی تھیں۔ ویسے اکیلا آیا ہے یا۔"
 "معد شکر اکیلا آیا ہے۔ چاریل ساتھ نہیں آئی۔
 ٹوہرہ رات چاریل بلا ڈانک۔ جانے کس منوں کلاوی
 وہ اس گھر میں آئی تھی۔" ندانے کہا۔
 "ویسے عباد بھی پریشان ہے اب۔" راحہ کو
 انداز میں بولی۔
 "اب وہ پریشان اچھلنے ہیں۔ سب عباد پریشان

کس کو کوہ چہرہ تھا خوشی منائی تھی۔
 ☆☆☆
 "تم رات کو میرے آئے تھے مہذبہ چہرے تھے
 چلا۔" ناٹنے کی بھلی پر امی جان اس سے مخاطب تھیں۔
 اس نے نگاہ چہرہ کر نیچے سے مہر کا کالہ چھپا، بیار کیا
 جھک کر اوپر کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔
 "جی امی، دیر سے آیا تھا۔ ایک آنکس کی جانب
 سے ڈر تھا۔ آفتاب میرے ساتھ تھا۔ وہ منکوحہ
 کھڑے لگا۔ ندابھابی نے ڈو مٹی انداز میں بڑی بھابی کو
 دیکھا۔
 "آپ کی طبیعت کیسی ہے ڈاکٹر کے پاس کب چلا
 ہے؟" عباد نے پوچھا۔
 "ڈاکٹر کے پاس میں تمہارے رو کے ساتھ جاؤں
 گی۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم گئے تھے اسے لینے بے ان کے
 پوچھنے پر اس کے ہاتھ رک گئے۔
 "نہیں! آئی جان آئندہ ہم اس موضوع پر بات

رشتہ کے مسئلے کا حل

آگر آپ اپنے بچوں کے بیون سماجی کی تلاش
 میں شجیدہ ہیں، ہم آپ کو دنیا بھر میں موجود
 پاکستانی کیونٹی سے آپ کے اپنے منتخب کردہ
 معیار کے مطابق رشتے گھر بیٹھے پہنچانے میں
 خدمات فراہم کرتے ہیں، پوش اور شجیدہ افراد
 اپنی پسندیدہ کیونٹی اور علاقہ سے اپنے مطلب پر
 رشتے حاصل کریں۔

services.com.pk

دنیا بھر میں شجیدہ پاکستانی افراد کو
 باہم ملانے والے بین الاقوامی ادارہ

0511-74140366

خاموش رہے، منہ پھاڑ کر نہ بولے۔ ”بڑی بھابی کو لہر

آ رہا تھا۔

”کیا ضرورت تھی اسے میری بھابی سے یہ کہنے کی

کہ نانکھ تو بس اس آنے جانے میں خوش رہتی ہے۔ ہر

بار نیا لڑکا اسے چھوڑتا ہے۔ شادی نہ ہونے کا خوب

فائدہ اٹھاتی ہے۔“

”بھابی پلیز۔۔۔“ عباد نے معذرت طلب نظروں

سے انہیں دیکھا۔

”میں نے اسے سمجھایا ہے آئندہ آپ کو شکایت

نہیں ہوگی۔“

”شکایت تو مجھے جب ہوگی جب میں اس سے ملوں

گی، بات کروں گی، میں اسے ایسا سیدھا کروں گی کہ

یاد رکھے گی۔“ بڑی بھابی بولیں تو عباد نے سر جھکا لیا۔

”شکل کے چارم میں مبتلا ہو کر تم نے اپنی زندگی

خراب کر لی۔ اس عورت میں گھریلو سکھ دینے والی

صلاحیت ہی نہیں ہے کیا تھا اگر تم فارسیہ سے شادی

کر لیتے، آج بھی تمہاری یاد میں وہ روتی ہے۔“ مسلسل

بولتے ہوئے انہوں نے سر جھکائے بیٹھے عباد کی خاموشی

کو نوٹ کیا۔ وہ اب ریوٹ سے کھیل رہا تھا۔

”بھابی، میری طرف سے نانکھ سے معذرت

کر لیجئے گا فاروق سے بھی۔“

”عباد۔۔۔۔۔“ بڑی بھابی نے تاسف سے اسے

دیکھا۔

”کس، کس سے معذرت کرو گے اور کرواؤ گے۔“

”پھر اور کیا کروں۔۔۔۔۔ وہ اب گھر نہیں آئے گی۔“

بڑی بھابی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ گویا ابھی فارسیہ کے

لیے راہیں ہموار ہیں۔

”اچھا کرو گے جو اسے نکال باہر کرو گے کسی چیز کا

سیلقہ نہیں ہے۔ کب کہاں کیا بولنا ہے، ادب لحاظ نہیں،

تف ہے ایسی عورتوں پر۔ اچھا ہے جس کم جہاں پاک۔

میں خود کرواؤں گی تمہاری شادی اپنی پسند کا انجام تو دیکھ

لیا ہے نا۔ اب ہمارا پسند اپنا کر بھی دیکھ لو۔“ وہ اپنے

نمبر بڑھوار ہی تھیں۔

شاندار پرسنالٹی، شاندار جاب، وجیہہ عباد کو وہ اپنا

نہیں کریں گے۔“ عباد ناشتا ادھورا چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

”بھابی یا سر بھائی اور ادیس بھائی آفس چلے گئے

ہیں، عباد نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

”ہاں، ساڑھے آٹھ بجے چلے گئے تھے۔“

”ٹھیک ہے امی، میں گاڑی چھوڑ کر جا رہا ہوں

کلینک چلی جائے گا۔“ عباد اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکلنے

لگا۔

”عباد، ہم زندگی کی حقیقتوں سے نظر چر کر گزر سکتے

ہیں اور نہ پہلو تہی کر سکتے ہیں، ہمیں ان مسئلوں کو سلجھانا

پڑتا ہے۔“ عباد نے جاتے ہوئے قدموں کو روک لیا۔

”زندگی میں اچھے دھاگوں کو سلجھانے کے بجائے توڑ

دینا چاہیے۔“

”میں چلتا ہوں امی جان دیر ہو رہی ہے خدا

حافظ۔“

”زندگی دھاگے کی کچھی نہیں ہے عباد کہ اس میں

سے اچھے دھاگوں کو توڑتے چلے جائیں۔“ انہوں نے

عباد کا چہرہ پڑھ لیا تھا۔

”جی۔۔۔۔۔“ وہ باہر نکل گیا۔

زبیدہ بیگم نے سر جھکا کر فکرانہ انداز میں دلیے کا

پیالہ آگے کر لیا۔ راحمہ سب کو چائے دینے لگی۔

☆☆☆

”تم نے پوچھا تھا اس سے اس نے ایسا کیوں

کیا؟“ بڑی بھابی عباد سے مخاطب تھیں۔ چینل بدلتے

ہوئے وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

”نہیں۔“ اس نے لی وی آف کر دیا۔

”کیوں۔۔۔“ بڑی بھابی اس کے سامنے کاؤچ پر

بیٹھ گئیں۔ وہ دھیرے سے ہاتھ مسلنے لگا۔

”تم نے اسے لائنس دیا ہے کہ جو منہ میں آئے

بکے جاؤ یا پھر اس کی زبان اتنی لمبی ہے کہ تم ڈر جاتے ہو۔“

”پلیز بھابی۔۔۔“ عباد بے بسی سے بولا۔

”کیوں، اس نے فاروق اور نانکھ کے متعلق ایسا

کہا۔ جب کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے اور اگر تم نے نہیں

پوچھا تو میں خود جا کر بات کروں گی۔ نانکھ نے رورو کر

اپنا برا حال کر لیا ہے۔ انسان کو اگر بولنا نہیں آتا تو

بہنوئی بنانا چاہتی تھیں مگر وہ بچ و تاب کھا کر رہ جاتی تھیں۔ شایان جانے کہاں اسے جو تک بن کر چٹ گئی تھی جو جان نہیں چھوڑ رہی تھی۔ لیکن اب جان چھٹ جائے گی۔ ان کی آنکھیں بلی کی طرح چمکنے لگیں۔ خنر سے عباد کی جانب دیکھا۔ وہ فون کی بیل سن کر اٹھ گیا تھا۔

”تینوں بہنیوں کے ساتھ کھڑا کتنا بچے گا۔ کچھ یہ خود بھی شرمندہ ہے اپنے کیے پر۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اب ہمارے کیے پر چلے گا اور..... اور میں ساسوجی سے کہتی ہوں کہ لوہا گرم ہے چوٹ لگائیے اور بر خوردار کے لیے اپنی پسند سے بہو لے آئے۔ اپنی پسند کی بہو۔ فار یہ یا سحر۔“ ان کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ فون سن کر عباد عجلت بھرے انداز میں باہر نکل گیا۔

☆☆☆

”ہے کہاں عباد کی دلہن؟“ پھوپھو مریم تن فن کرتی گھر میں داخل ہوئیں۔

”کیا ہوا پھوپھو اتنے غصے میں کیوں ہیں؟“ سامنے ہی ندا کھڑی تھی۔

”کیا ہوا آپا.....“ باہر نکلتیں زبیدہ بیگم بھی ٹھٹک کر رکیں ان کا لال بھبھوکا چہرہ ان کی چھٹی حس کو خبردار کر رہا تھا۔

”زبیدہ تمہاری یہ بہو میرے کن گناہوں کا خمیازہ ہے۔“ وہ دھم سے لان میں رکھی چیر پر بیٹھیں، پھسلتا ہوا چشمہ ٹھیک کیا۔

”آپا ہوا کیا.....؟ سب خیریت ہے نا۔“ زبیدہ بیگم ان کے سامنے بیٹھیں اور ندا دلچسپی کے خیال سے آگے آگئی۔ شایان سے متعلق کوئی خبر ہے۔

”بات اس کے سامنے ہو جائے تو ٹھیک ہے اس سے کیا بعید کہ مکر جائے یا پھر مجھے جھوٹا کہہ دے۔“ مریم بولیں۔

”مگر پھوپھو شایان تو میکے گئی ہے۔“ ندا نے اطلاع دی۔

”ارے ایسی چھو کریوں کو تو ہمیشہ کے لیے گھر بدر کر دو۔ تمہارا حوصلہ ہے اور آفرین بھی تم پر ہے۔ میری

ہوتی ایسا بدتمیز، گستاخ اور کینہ پرور اور منافق بہو تو دل جوتے یہاں مارتی اور پچاس جوتے اس کے ماں باپ کے سامنے کہ کیا سکھا پڑھا کر لڑکی کو بھیجا ہے۔“ زبیدہ بیگم نے ندا کو پالی لانے کا اشارہ کیا۔

”آرام سے آیا، مت کریں غصہ آرام سے بتائیں کہ ہوا کیا ہے؟“

”ارے کن گنوں کی ہے تمہاری بہو، سنو گی تو ہاتھ لگاؤ گی کانوں کو۔ میری بہو کو میرے خلاف کر رہی ہے، کہتی ہے الگ گھر لے لو۔ اپنی سلطنت قائم کرو اور تو اور میرے داماد کو کہتی ہے کہ بیٹی کا حصہ داماد کا ہی ہوتا ہے آپ کو نوکری نہیں ملتی تو انکل سے کہیں اتنی بڑی فرم ہے اور بیٹی بھوکا مر رہی ہے۔“ زبیدہ بیگم چپ بیٹھی منہ سے کف اڑاتی آگ بگولہ سی نند کو دیکھتی رہ گئیں۔

”ہماری گھر میں تو پھوٹ پڑ گئی ہے کہ حصہ دو۔ وہ ہوتی کون ہے خاندان کے معاملات میں بولنے والی..... دامادوں کی زبانیں رکتی ہیں کیا۔“

”پھوپھو پانی۔“ ندا پانی لائی تو پیچھے راحمہ بھی تھی، بڑی بھابی سارا منظر نامہ اوپر سے دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے غٹ غٹ کر کے پانی ایک سانس میں پی لیا۔

”یہاں بھی یہی حال ہے پھوپھو، امی کی چپ اور عباد کی شہ وہ بہت پر پرزے نکال رہی ہے۔ خاندان میں اس نے نالہ کا اسکیٹل بنا ڈالا فاروق کے ساتھ۔ بڑی بھابی تو سخت غصے میں ہیں۔“ راحمہ کی اطلاع پر مریم بیگم نے تاسف و ملال سے بھانج کو دیکھا۔

”تو تم بھی اس کے دام حسن میں گرفتار ہو گئیں؟“

”لاحول ولاقوة.....“ زبیدہ بیگم نے سر جھٹکا۔

”ارے بگڑی ہوئی رئیس زادی ہو گی اپنے گھر کی، کرو میرے حوالے کر دوں گی سیدھا۔ اور یہ عباد کہاں ہے، میں لوں اس کی خبر۔ بیوی کو پٹا ڈال کر رکھے، میں تو اس کے باپ کے گھر جاؤں گی، جانے کون سے تیر چلانے وہ میکے گئی ہے جو تیر یہاں چلا کر تلواریں لڑوادی ہیں پہلے اس کا تو حساب دے۔ تو یہ..... تو یہ ایسی بد لحاظ اور بد فطرت پورے خاندان میں تھوٹھو ہو رہی ہے۔ ایسی ہے عباد کی دلہن.....“

”رضیہ کا جمال کہہ رہا ہے میرے لیے شایان جیسی
دہن ڈھونڈو۔ ہونہہ!! دیدوں میں حیا نہ پاکیزگی۔ شتر
بے مہار بنا رکھا ہے۔“ وہ ٹان اسٹاپ بولے جارہی تھیں
اور بولتی ہی رہتیں۔ جب تک ان کا غصہ، عناد، تنفر نکل
نہیں جاتا اور یہ شایان کی کلاس لے کر نکلتا تھا، اس کی
کلاس کیسے لیتیں وہ تو باپ کے گھر بھاگ لی تھی۔ راحہ
اور ندائیک دوسرے کو ڈومنی انداز میں دیکھ رہی تھیں۔
”اب آیا حج معنوں میں اونٹ پہاڑ کے نیچے۔“

☆☆☆

سارہ نے سوپ پلانے کے بعد اس کا سر نیچے کیا،
رومال سے منہ صاف کیا، چہرے پر بے انتہا نقاہت
تھی۔ محبت سے اس کا رخسار تھکا۔
”بس تھوڑے دنوں میں تم ٹھیک ہو جاؤ گی بلکہ
ٹھیک ہو۔ بس کمزوری ہے ختم ہو جائے گی۔“
”آئی“ اس کی سیاہ گھنیری پلکیں رخساروں پر لرز
رہی تھیں اور صبح رخساروں کی زردی نمایاں ہو رہی تھی۔
”جی بیٹا۔“ پیالہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اس کے
چہرے سے بال پیچھے کرتے توجہ سے دیکھا۔

”عباد۔ عباد نہیں آئے؟“

”شایان!۔ ان کا ہاتھ لرز گیا۔“

”تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہیں شدید زردی
ڈاؤن تھا اب تک کوئی ٹینشن مت لو۔ چند دن بعد سب
ٹھیک ہو جائے گا۔“

”لعنت ہے میری زندگی پر۔“ اس کے گرد ایک ہی
جملے کی گونج تھی۔

”آئی“ دھیرے سے آنکھیں بند کیں ”انہیں بتایا
ہے کہ میں۔۔۔۔۔“ سارہ نے ملال سے اسے دیکھا۔

”میں نے کہا تا تم فکر مت کرو، وہ آئے گا ضرور
آئے گا۔ کسی دوسرے شہر گیا ہوا ہے، میں نے فون کیا
تھا۔“ آئی سارہ نے کہا۔

”نون۔۔۔ اس نے بے بسی سے کہا۔ لفظوں کے
تازیانے اس پر کوڑے برسانے لگے۔

”چپا کدھر ہیں۔۔۔۔۔؟“

”وہ۔۔۔ انہوں نے نگاہ چراتے ہوئے اس پر

کھل ٹھیک کیا۔ ”وہ تو بزنس ٹور سے واپس ہی نہیں
لوٹے، نہ ہی فون آیا اور تم اب سو جاؤ زیادہ بولنے سے
زیادہ جھکن ہوگی اور تم جاتی ہو کہ۔۔۔۔۔“ دھیرے سے
ہاتھ دبا کر سونے کی تلقین کرتی وہ پیالہ اٹھا کر اس کے
مزید ممکنہ سوالوں سے بچنے کے لیے باہر نکل گئیں۔

”عباد۔“ اس کا دل سسکا۔ ”عباد۔۔۔۔۔ عباد!“
آنسو رخساروں پر بہہ نکلے۔ ”مجھے معاف کر دو۔“ بند
آنکھوں کے پیچھے اس ستم گر کا سراپا تھا اور اس کے
دونوں ہاتھ بندھے تھے۔ اشک بے اختیار ہو رہے
تھے۔

”میں بد فطرت نہیں، میں منافق نہیں، میں۔۔۔۔۔
میں بری عورت نہیں۔ بس ایک بار۔۔۔۔۔ بس ایک بار“
کشن منہ پر رکھے وہ سسک اٹھی۔

☆☆☆

شدید بے چینی نے اس کا احاطہ کر رکھا تھا بے اختیار
سامنے رکھی منرل ڈاٹر کی بوتل منہ سے لگالی۔ سینے کو مسلا
پھر اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ بے چینی مسلسل تھی۔ گھر
فون کیا۔

”امی آپ ٹھیک ہیں نا؟“

”ہاں بیٹا۔۔۔۔۔ کیا ہوا؟“

”ابو۔۔۔۔۔ ابو کہاں ہیں؟“

”باہر گئے ہیں۔“ امی نے جواب دیا۔

”اوکے۔“ عباد نے فون رکھ دیا۔ ایک بار پھر

پلٹ کر بوتل اٹھا کر پانی پیا۔ ایک چھن ایک کک، بے
چینی کو کرید رہی تھی۔

”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں۔“ ذہن میں آنے والے خیال کو

جھٹکا۔

”اس سے مجھے کیا لینا اب۔“ سر جھٹکا۔ اس کے

اندر کوئی سراٹھانے لگا۔

”راستے بدل لو گے۔۔۔۔۔ ہاں“

”راستہ بدل سکتے ہو۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔

”ہاں۔۔۔۔۔ ہاں!“

”محبت سے منکر۔۔۔۔۔“

”محبت۔۔۔۔۔!“ وہ کرسی پر گر گیا۔ ”محبت اب رہی

ہی کہاں تھی۔“ عباد رنجور ہوا۔ ”محبت تو کب کی رخت
سبز باندھ چکی ہے۔“ رنجیدگی کی زردی ہوا اس کے وجود
کو چھونے لگی۔ دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو
ڈھانپ لیا۔ ”کیا محبت بھی راہ فرار اختیار کر سکتی ہے؟“
بے چینی دہلی تابی اس کے اندر ہلکورے لیے لگی۔

☆☆☆

پچھلے ہونے والے ایک نے اسے بے حد کمزور
کر دیا تھا۔ چہرے کے سپید رنگ میں زردیاں گھل گئی
تھیں۔ اسی کی ساری مصروفیات ختم ہو گئیں۔ صرف گھر
کی ہو کر رہ گئی۔ ملکہ سوات گئی ہوئی تھی۔ غزل اور نگار
بھائی کی شادی کی وجہ سے مصروف تھیں مگر اس کے ساتھ
جو ہوا وہ اچھا نہیں تھا۔ اس کی بیماری کے دنوں میں
صرف فون آئے۔

آئی سارہ جنہیں شایان آئی کہتی تھی جو اس کی ماں
کے انتقال کے بعد سے اس کے ساتھ تھیں، اوائل بچپن
سے انہیں اپنے ساتھ دیکھ رہی تھی، پپا نے انہیں ہمیشہ
کے لیے گھر میں رکھ لیا تھا۔

خود پپا بزنس کے سلسلے میں ملک ملک گھومتے رہتے
تھے۔ انہوں نے دوسری شادی کی تھی مگر دوسری بیوی
لندن میں ہی رہتی تھیں ان سے بچے بھی تھے۔ ان سے
تعلق صرف ضروریات زندگی تک ہی محدود ہو کر رہ گیا
تھا۔

”ہاں شینی کتنے پیسے چاہیے بیٹا؟“

”کہاں جانا ہے.....؟“

محبت جو باب کا خاصہ ہوتی ہے اس سے وہ محروم
رہی۔ ماں کی دو بہنیں تھیں، دونوں ہی امریکا میں ہوتی
تھیں۔ فیروزہ نے اپنے بیٹے کے لیے اس کا رشتہ مانگا
تھا مگر اسرار ملک نے انکار کر دیا۔ وہ کبھی کبھی کے تعلق
سے بھی گئی۔ ددھیال کے رشتے داروں میں صرف ایک
پھوپھی تھیں۔ اسرار ملک نے ان کے بیٹے کو اپنی فرم میں
جواب دی، مراعات دیں مگر رشتہ انہیں بھی نہیں دیا۔

باپ کی محبت اور عدم توجہی کا شکار شایان ملک خود
مائی کے شوق میں مبتلا تھی اس لیے وہ ہر اچھے اور برے
سل سے گزر جاتی تھی، اس کی تربیت میں جھول تھا۔

اس کی سرپرستی کسی بردبار، سمجھدار رشتے نے نہیں کی۔
سارہ آئی تھیں جو گھر کے ساتھ اس کے کھانے پینے،
سینے، اوڑھنے کا خیال رکھتی تھیں۔ ماں کی باریک نگاہ
سے وہ بھی اسے نہ دیکھ سکیں لہذا ماڈرن ازم کا شکار
شایان ملک کی شخصیت اس بہتے پانی ایسی تھی جو آڑے
ترچھے راستوں سے گزرتا خود ہی جگہ بنانا چلا جاتا ہے۔
ڈش، کیبل اور فون نے سونے پر سہاگا کیا تھا اس کی
اخلاقیات کو بگاڑنے میں ایک وجہ اس کے دوست بھی
تھے جو مارا آستین بنے اسی کی طرح رنگین مزاج تھے۔

عباد الرحمن کو اس سے محبت اس کی بے تحاشا
خوبصورتی، بے ساختگی کی وجہ سے ہوئی۔ پہلی نگاہ نے
ہی اس کے ہوش و حواس گم کر دیے تھے اور اس نے اپنی
ماں کی ناپسندیدگی، بھابیوں کی ناراضی اور ابو کی عدم
دلچسپی کے باوجود اس سے شادی کی۔ اس کی چند ماہ کی
محبت جیت گئی۔ عباد اسے اپنے نام کی مالا پہنا کر گھر لے
آیا۔ وہ جو کہتے ہیں نادور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں
ان کی موسیقی، ردھم اور سردور سے ہی اچھے لگتے ہیں،
قریب آ کر سر بکھیریں تو کان پھٹنے لگتے ہیں۔

شایان کی شخصیت میں بے تحاشا الجھنیں تھیں اس
کی شخصیت کی تعمیر خام مال ایسی تھی۔ ایک گھریلو لڑکی
ایسی تربیت اس کی نہیں تھی۔ بے انتہا نازک مزاج،
گھریلو امور سے ناواقف، ضابطوں اور رابطوں سے
بے پروا، من موجدی اور اپنی مرضی کرنے والی۔ اس کے
گھر کا ماحول ایسا ہی تھا۔ اہل کر پانی نہیں پیا تھا۔ جی
حضور کی کرنے والے ملازم، شاہ خرچیاں، پکنک
پارٹیاں، دوستیاں شخصیت کے وصف تو باہمی ربط اور
قربت سے کھلتے ہیں۔ عباد الرحمن کے گھر کا ماحول بالکل
مختلف تھا آپس کے رشتوں میں بے ساختگی، محبت،
یگانگت، ہمدردی، رکھ رکھاؤ اور خیال دھیان رکھنے کی
کیفیت، عباد کی والدہ زبیدہ رحمٰن جہاں دیدہ، سکھڑ،
سلیقہ مند، محبت کرنی والی، امن پسند تھیں اور اپنی بہوؤں
کا انتخاب انہوں نے بہت دیکھ بھال کر کیا تھا۔ ان کے
گھر کی فضا محبت کی خوشبوؤں سے مہکتی تھی اور باہمی ربط
سے گندھی ہوئی تھی۔

بڑی بہارستان کی دروازہ دوست کی بیٹی تھی۔ چرمی
کامی، مسوجہ بوجھ رکھنے والی، اعلیٰ اخلاقی اور صاف کی
مالک رہا، جس ان کی تمام تر توقعات پر پوری اتریں۔
رامہ اور ندا خاندان کی عیس ان کے گھر کے ماحول میں
رجح بس گئیں۔ اختلافات کی محاش ہی نہیں لگی۔
اختلاف رائے کو باہمی دلچسپی سے سنا جاتا۔ دلوں میں
باہمی محبت اور یکا گت نہ ہو یا حقوق و فرائض میں کہیں کمی
ہو تو دلی عتاب اور تہاؤ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ فطری
امر ہے اور زبیدہ رمن انصاف پسند خاتون تھیں۔ انہوں
نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی تو انہیں حق
بھی بہت اچھا ملا۔ تیز دار، بااخلاق اور فرمانبردار
بہویں۔ بلاشبہ انہوں نے اپنی بہوؤں کو بھی بہو سمجھا ہی
نہیں، تینوں نے ان کی بیٹی کی جگہ کی گئی اور بیٹی بن کر
دیکھایا۔ پورے خاندان میں ان کے گھر کی مثال دی جاتی
تھی۔ عباد کے لیے انہوں نے دیکھ بھال کر لڑکی دیکھنی
تھیں ان کا ارادہ چھوٹی مندی کی مدت کو لانے کا تھا۔
رعنائے اپنی بہن فادیہ اور... سحر کے مطابق سوچ رکھا
تھا۔ بولڑی اس گھر میں آئی راج کرتی مگر عباد نے سب
کی خوشیوں پر پانی پھیر دیا۔ شایان کا عشق سرچڑھ کر بولا
تھا۔

زبیدہ رمن کو پہلی نگاہ میں شایان اچھی نہیں لگی۔
بے باک، ماڈرن اور آزاد خیال۔ انہوں نے انکار کیا
تھا اور عباد نے شایان کے لیے ماں سے ڈاک لڑایا، عشق
کا سورج سرچڑھ گئے تو ایسے ہی خوار اور رسوا کر داتا ہے۔
وحید الرحمن کا وٹ بننے کی طرف تھا اس رشتے کو قسمت
سے ہونا تھا یہ رشتہ ہو کر رہا۔ دلوں میں نا پسندیدگی کے
باوجود سب نے اس گھر کی آخری شادی میں بڑھ چڑھ
کر حصہ لیا۔ سب سے زیادہ دکھ رعنائوں کو تھا۔ ان کی
توقعات وابستہ تھیں۔ امید ہی نہیں تھی کہ عباد رمن مرضی
کر سکتا ہے۔ قسمت کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے۔ شایان
ایک مختلف المزاج لڑکی تھی۔ سسرال والوں کی ناز
برداریاں، عباد کی محبت اور سب کی توجہ نے شایان کے
غور کو اور سرچڑھا دیا۔

اپنی مرضی سے جینے والے لوگ کم ہی ہم ربط ہوتے

ہیں۔ دو سب کو اپنی مرضی پر چلانا چاہتے ہیں اور شعیب
میں دراڑیں اسی لیے پڑتی ہیں۔ خیال و دھیان کی
کیفیت اور باہمی رضا و رغبت گھر کی فضا کو ہموار اور
نرم سکون رکھتی ہے۔ جبکہ شایان، تمام اخلاقی اوصاف
رکھ رکھاؤ، خیال و دھیان، سلیقہ اور محبت و یکا گت کو
برقرار رکھنے والے تمام اوصاف سے بے بہرہ تھی۔
زبیدہ بیگم کا ہاتھ اس وقت خشکا جب پوتے کے قہقہے کے
وقت بھری گھٹل میں شایان نے ندا بھائی کا مزاج اڑایا
اور ان پر ہوت کی۔ ان کی بڑی ندا آیا جان کے چھوٹے
بیٹے علی اور دیور کے بیٹے جمال کے ساتھ اس نے ان
کے لطیفوں پر بلند قہقہے لگائے۔ ان کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر
چیتے ہوئے وہ بہت انجوائے کر رہی تھی اور زبیدہ بیگم
بکا بکا، ان کا ماحول یہ کب تھا۔ ان کی تینوں بہویں
اخلاقی کے دائرے میں رہ کر رشتوں کے دیوروں سے
بات کرتی تھیں کجا بلند قہقہے، ندا کے ساتھ ان کا بھی دل
برابو گیا تھا مگر انہوں نے صبر کا گھونٹ پیا۔ گھر کی فضا کو
کسی رنجش کا شکار نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ شائستگی تو ان کا
وصف تھا اور پھر آئندہ آنے والے دلوں میں نوٹ کیا۔
شایان نہایت اکڑ مزاج، بد مزاج، من مو جی، گھریلو
امور سے عدم دلچسپی رکھنے والی ایک خود پرست اور خود
پسند لڑکی تھی۔ تمام تر اخلاقی امور سے بے بہرہ وہ انتہائی
دو غلی، جھوٹی، کینہ پرور اور حاسد تھی۔ غرور و تکبر رکھنے
والی بد زبان، جھگڑالو اور غیبت کرنے والی، عاقبت
نا اندیش لڑکی تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ خود کو سب سے بڑے
اور بہتر سمجھتی تھی۔ چھوٹی عمر میں سب کچھ دیکھ لیا تھا، غرور
غرور لازمی تھا مگر زبیدہ بیگم اس معاملے میں کسی کو خاطر
میں لانے والی نہیں تھیں۔ انہوں نے عباد کو بلا کر صاف
کہہ دیا۔

”عباد اپنی پسند کو تم لے تو آئے ہو اب تم اسے اس
گھر کا معیار بناؤ۔ اس گھر کے طور طریقے اور رسم و
رواج سکھاؤ۔ اس کا اثر دوسروں پر پڑنے سے پہلے
اسے آگئی دو، گھر کے ماحول سے تم واقف ہو۔“

”امی.....“ عباد انہیں دیکھتا رہ گیا۔ ”مگر میں نے
اپنی پسند سے شادی کی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ

درمیان رہی ہوں مجھ سے کام دام کی توقع مت کریں۔“ شایان نے صفا چٹ جواب دے کر اسے ششدر کر دیا۔ ”اور نہ ہی مجھے کام شام آتے ہیں۔“ اٹھ کر اس نے تمام میگزین سائینڈ ٹیبل پر بٹخے۔ ”نو کروں کی فوج موج کرنے کے لیے ہے کیا، جس بات کی تجویز لیتے ہیں۔“

”نو کروں سے بھی کام کر دایا جاتا ہے کھڑے ہو کر۔ گھر ہے یہ تمہارا سمجھیں تم... عباد اپنے اشتغال کو ممکنہ حد تک کنٹرول میں رکھ رہا تھا۔“ اور بھابیوں سے تمہارا رویہ...؟“

”اوہ تو ساری شکایتیں آج ہی لگا دیں ای حضور نے؟“ شایان نے طنزیہ نگاہ اس پر ڈالی۔ ”بہت اچھی ہیں وہ۔“ عباد نے گھورا۔

”جب میں کسی کی پسند نہیں تو میں اچھی کیوں بنوں۔ سسرال والوں کو زیادہ منہ لگاؤ تو منہ کو آتے ہیں میں دور دور ہی بھلی۔“ شایان نے بدتمیزی سے کہا عباد اسے دیکھتا رہ گیا۔ ”آپ کی والدہ محترمہ انتہائی بے انصاف اور خود غرض خاتون ہیں۔“

”شینی، مت بھولو کہ وہ میری ماں ہیں۔“ عباد نے مشتعل ہو کر اسے دیکھا۔ ”ہاں!“ شایان نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ ”میں نہیں بھول سکتی کہ وہ آپ کی والدہ محترمہ ہیں جنہیں میں پسند نہیں اور جو میرے خلاف محاذ بنائے بیٹھی ہیں۔ اپنا غصہ انہوں نے اسی طرح سے تو نکالا ہے۔ اور رہی آپ کی بھابھیاں، انہیں ہنسنے اور مذاق اڑانے کے سوا کچھ آتا ہے کیا، ہونہہ خاندانی بہویں۔“

”تم حد سے بڑھ رہی ہو۔“ شینی خود کو اس گھر اس ماحول میں ڈھالنے کی کوشش کر رہی تھی کہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔“

”عباد میں جیسی تھی بس ویسی ہی رہوں گی۔ آپ کو اپنی والدہ کے کہنے پر مجھ میں کیڑے نظر آ رہے ہیں۔“ اس نے بدتمیزی سے رسالہ اچھال دیا۔ عباد حیران تھا یہ وہ شایان تو نہیں جو شائستہ مزاج کی خوبصورت لڑکی تھی اس کا پیر بن ایک دم سے کیسے تبدیل ہو گیا۔ شاید وہ بھی

”ہوں“
”مجھے آئے دو گھنٹے ہو چکے ہیں، تمہیں خبر ہے۔“
”ابھی“ حیرت سے اسے دیکھا۔ ”میں ذرا مصروف تھی۔“

”ایسی کون سی مصروفیت ہے تمہاری جو تمہیں میری آمد سے بے خبر رکھتی ہے؟“

”یہ آج آپ کو کیا ہوا ہے، کیسی باتیں کر رہے ہیں؟“ شایان نے اچنبھے کے سے انداز میں دیکھا۔ ”تم گھر والوں کے درمیان کیوں نہیں بیٹھتی ہو۔ ان کے ساتھ رہا کرو، کام دام کیا کرو، دن اچھی طرح سے گزر جاتا ہے۔ اس نے غصے کو دبا کر سرسری سے لہجے میں کہا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ ”ایسی بھی تمہاری شکایت کر رہی تھیں۔“

”کیسی شکایت...؟“ شایان چوکی
”شایان تم بچی نہیں ہو، سمجھدار ہو اور اس گھر کے طور طریقوں سے واقف ہو، تمہیں گھریلو امور کی انجام دہی میں بھابیوں کا ساتھ دینا چاہیے، ان کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ ان کے پاس بیٹھا کرو، تم الگ تھلک ہو کر کیوں بیٹھتی ہو۔“ اس نے حتی الوسع اپنے لہجے کو تحمل کے دائرے میں رکھا۔

”یعنی آج میرے خلاف خوب کان بھرے گئے ہیں۔“ شایان نے ترخ کر کہا۔

”تمہارے خلاف کسی نے کان نہیں بھرے، وہ ٹھیک کہتی ہیں تمہیں اب اس گھر کے رسم و رواج، ماحول اور طور طریقوں میں ڈھل جانا چاہیے۔ تم اس گھر کی آخری بہو ہو اور تمہیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ تم میری بند ہو۔ اسی کو بمشکل تمہارے لیے راضی کیا تھا اور تمہیں ان کی امیدوں پر پورا اترنا چاہیے۔“ عباد نے سنجیدگی سے کہا۔

”یعنی...!“ غصے سے اس کا چہرہ انگارہ ہونے لگے ہوئے انداز میں عباد کو دیکھا۔ ”میں نوکرانی، ام زادی، ماسی بن جاؤں، گھر کے کاموں میں خود کو ماحول تو یہ آپ کی بھول ہے عباد صاحب، میں نے گھر میں کبھی کبھی ہل کر پانی نہیں پیا، نو کروں کے

ہوں۔“ وہ زور سے چیخی۔

”آہستہ بات کرو بد زبان لڑکی.....!“

”اب میری زبان نہیں رکے گی، میں بد زبان ہوں تو ہوں۔ یہ ماحول ہے آپ کے خاندان کا۔ وہ ناکہ صاحبہ روز آفاق صاحب کے ساتھ بہن سے ملنے آ جاتی ہیں۔ لڑکوں کو پھنساتی ہیں یونیورسٹی جا کر دیکھیں کبھی۔ اس گھر کا ماحول بے باک نہیں۔ اس گھر کی عورتیں، اپنے کزنز، اپنے رشتے داروں سے نہیں ملتیں کیا۔ آج آپ کو میرے اندر خامیاں نظر آ رہی ہیں۔“ وہ کھول گئی۔

”جو میری شکایت ہے، اس گھر کو تم سے ہے اے دور کرو۔ اور آرام سے رہو..... یہاں ورنہ.....!“

”ورنہ.....!“ شایان اسی انداز میں مخاطب تھی۔

”ورنہ نتائج کے ذمے دار آپ خود ہوں گے۔“

”میں.....!“ اس سینہ زوری پر عباد حیران ہوا۔

”میں کوئی کمزور نہیں ہوں میرے پاپا.....“ شایان بولی۔

”کاش تمہاری ماما بھی ہوتیں۔“ عباد نے سر جھٹک کر اسے دیکھا اور باہر نکل گیا۔

”ہونہ! میں بری ہوں تو برا بن کر دکھاؤں گی۔“

شایان نے زور سے پاؤں پٹخا اور فون کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

”تمہیں کیا ضرورت تھی جمال سے اتنا فری ہونے کی۔“ دو دن بعد پھر سے بیچ و تاب کھا کر کھولتا ہوا عباد اس کے سر پر کھڑا تھا۔

”وہ آپ کے گھر کا حصہ، خاندان کا فرد ہے۔ سب کے ساتھ اگر میں نے اس سے گفتگو کر لی تو کیا ہوا۔ آپ بھی تو ادھر ہی تھے۔“

”شایان!“ عباد نے لب بھینچ کر اسے گھورا۔ ”اتنی آزادی۔ بے باکی مجھے پسند نہیں۔ گفتگو کے کچھ آداب اور لحاظ ہوتے ہیں۔ تم کوئی بچی نہیں ہو۔ ہاتھ پر ہاتھ مار کر گفتگو کرنا۔ قہقہے لگانا، راز و نیاز..... یہ کیا طریقہ ہے“

تمہیں کون کون سی بات سمجھانی پڑے گی۔“ عباد زچ

ان تک پہنچ ہی نہیں پاتا جنہوں نے اس کا بھرم بن بدلنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ گزرتے وقت نے بہت سارے راز اس پر آشکار کیے تھے۔

☆☆☆

”تم..... تم..... نوادے ملتی ہو کلب میں؟“ عباد شک کی کیفیت میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

”میرا دوست ہے عباد، کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ کیا میں پرانے دوستوں کو چھوڑ دوں۔ پرانے رشتے ختم کر دوں؟“

”وہ انتہائی ادب، فطرت، شربا اور تم۔ اس کے ساتھ ڈرائیونگ پر مگنی تھیں۔“ عباد سخت غصے میں تھا۔

”تو نگار میرے ساتھ تھی، اس کا کزن ہے وہ۔“

شایان بے لگاری سے بولی۔

”بھائو میں مگنی نگار، تم آئندہ اس سے نہیں ملو گی، سمجھیں تم؟“

”نہیں۔“ شایان نے اس کے غصیلے اندز پر چیخ کر کہا۔

”میں نہیں سمجھوں گی، آپ اتنے بیک ورڈ کب سے ہو گئے۔ میں ایسی ہی مگنی اور ایسی ہی رہوں گی۔“

”تم اس طرح سے رہو گی جیسا میں چاہوں گا۔ میرے گھر میں یہ آزادی اور بے راہ روی نہیں چلے گی خود کو بدلو اور آئندہ تم کلب نہیں جاؤ گی۔“

”آپ مجھے نہیں روک سکتے، میری یہی ایکٹیویز ہیں۔“

”تمہیں اس گھر میں دل لگانا چاہیے شایان۔“

عباد نے تاسف، دکھ، ملال بھری نگاہ اپنی نظر انتخاب پر ڈالی۔ واقعی وہ محبت میں دھوکا کھا گیا تھا۔ چاند چہرہ، ستارہ آنکھیں اسے تارے دکھا رہی تھیں۔

”اگر آپ کو گھریلو عورت کی ضرورت تھی تو کیوں مجھے قید کیا۔ آپ کو اندازہ نہیں تھا کہ میں کیا ہوں۔“

”تم جو کچھ بھی تمہیں پہلے تھیں۔ اب تم کیا ہو، کس ماحول میں رہتی ہو، اس ماحول کی کیا احتیاجات ہیں تمہیں اس بارے میں سوچنا چاہیے۔ اگر یہاں رہنا چاہتی ہو تو۔“

”مجھے دھمکی دے رہے ہیں آپ، میں بری لڑکی

رہی ہے۔ اس کا لہجہ اس کا انداز، جو ابندی کا طریقہ،
 ایک بیک وہ چونک گیا۔ ”یہ کیا چھنکارہ چاہتی ہے۔ ان
 کے درمیان محبت نہیں رہی اور کیا.....“ اس کا دل کسی
 نے مٹھی میں لے لیا۔

”ایسا ہو سکتا ہے؟“ عباؤ یکدم بے چین ہوا اور باہر نکل گیا۔ ”اگر ایسا ہو گیا تو..... تو کیا ہوگا۔ جب ہنسائی، دانستہ رسوائی، بے عزتی، خاندان میں اس کا انتخاب موضوع بحث بنے گا۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔“ ایک نئی فکر فکرمیں ڈوب کر اس کے ہمراہ تھی۔ ”نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ میں اسے اب پیار سے سمجھاؤں گا۔ وہ کیا چاہتی ہے۔ کیوں اپنی زندگی کو گرہ بن لگا رہی ہے۔ کیوں محبت کو دل سے رخصت کرنا چاہتی ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو۔ تو محبت پر اس کا ایمان کھ جائے گا۔ محبت ابھی سلامت ہے اگر حالات یہی رہے تو محبت کو زندہ لگانے سے کون روک سکتا ہے۔“ آج کل وہ بہت سنجیدہ ہو رہا تھا۔

اپنے گھر کا ماحول اسے بے حد پسند تھا۔ محبت کی خوشبودار چاہت کی فضا درودِ دیوار پر چھائی ہوئی تھی، عشق و پیار کے پھول پتے ہر سو بکھرے ہوئے تھے۔ خیال و دھیان رکھنے کی کیفیت ایک دوسرے کا احساس، ایک کی پریشانی پورے گھر کی پریشانی، کوئی گھریلو چھٹل، گھریلو سیاست، ساس بہو کی جھج جھج ایک دوسرے کی کاٹ اور بیٹھ بیٹھے تفرقے تیز برستے اس نے کبھی نہیں دیکھے تھے نہ اس نے کبھی گھر میں کام کے سلسلے میں جھج و پکار دیکھی۔ ہمیشہ گھر میں ہر امن مسکراہٹ دیکھی۔ امی کی لگتہ ہنسی اور بھابیوں کی فرمانبرداری۔ اب وہ... یہی ہوتا تھا کہ اس کی بیوی اس ماحول کا حصہ بن جائے۔ بیویوں کے ساتھ مل جل کر فضا کو مستحکم کرے۔ امی کی ہر مزید بہو بن جائے امی کو "اس" کے نظریہ انتخاب پر فخر نہ ملے۔

وہ جو امی کو ناراض کر کے اس کو بیاہ لایا تھا۔ باخدا
اندر ہی اندر خفت و خجالت کا شکار تھا اور دل سے چاہتا تھا
کہ اس کی بیوی اس خلش کو ختم کرے۔ مگر وہ دل کی
خلش ہی نہیں بلکہ ذہنی غلیان کو کبھی بڑھا رہی تھی۔

ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔
 "تم جانتی ہو میرا فیصلہ کس طرح قبول کیا گیا، میں
 امی سے پہلے ہی شرمندہ ہوں۔ بجائے اس کے تم اپنی
 دلیلوں پر حاوی، خدمت سے، شائستگی سے، روپے سے، تم
 انہیں اور نہ ورنہ خرچ کر رہی ہو۔"

”عباد! ذہن تریخ کنی۔“ آپ بہت بدل گئے ہیں
آپ کو میری ہر بات میں کبڑے نظر آتے ہیں مجھ سے
یوں بات کرتے ہیں گویا میں بہت بری ہوں اگر میں
بری ہوں تو کیوں مجھے قید کر رکھا ہے چھوڑ دیں۔“
”قید...!“ عباد ہکا بکا رہ گیا۔ ”تم اس گھر میں
قید ہو۔“

”ہاں.....!“ شایان بے خوف لہجے میں بولی۔
 ”کیا اس بند کرو۔“ عباد کے دل کو کچھ ہوا۔ ”اپنی
 تمام دوستوں سے ملنا بند کرو، اسی کے پاس بیٹھا کرو
 انہیں ٹائم دو۔ کچن میں وقت گزارو۔ اب تمہاری یہ
 مصروفیات ہونی چاہیں۔“

”میں زور خرید تو کرانی نہیں ہوں، مجھے کام آتے ہیں اور نہ میں کر دوں گی۔“ شایان نے نکاحا جواب دے کر چادر میں منہ چھپالیا۔ عباد گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

”یہ لڑکی..... یہ عورت! اس کی بیوی۔ اس کی پسند..... اس کی محبت۔“ اس نے دونوں ہاتھوں پر سر گرا لیا۔ کیا اس کی محبت شایان کے دل سے ختم ہوئی ہے۔ اتنی جلدی..... چند ماہ میں۔

”کیا محبت کے رنگ اسنے کچے ہوتے ہیں۔“ ہاتھ چہرے سے اٹھا کر اسے دیکھا۔ ”واقعی یہ لڑکی ماڈرن ازم کا شکار ہو کر ترقی یافتہ افراد کی صف میں شامل حقوق سے بے پرواہ ہے۔ اس کی مسلسل نفی کر رہی ہے کیا چاہتی ہے یہ۔ امی کو اس سے مسلسل شکایات ہیں۔ بھابی بلکہ تینوں بھابیاں اس سے نالاں ہیں۔ گھر والوں کی اسے پروا نہیں۔ عباد۔۔ عباد الرحمن تم نے اس شکل میں کیا دیکھا۔ تمہیں، تمہیں صرف شکل سے محبت ہوئی تھی اور محبت بھی صرف تمہیں ہوئی تھی۔ اسے.....“ اس کی آنکھوں میں دھواں بھرنے لگا۔

”اے تو تم سے محبت ہے نہ دوستی۔ بس ساتھ رہو

جانے وہ کیوں اتنی ضدی اور باغی ہو رہی تھی۔ کس بات کی تھی، محبت، مان، اعتماد سب ہی کچھ اسے حاصل تھا مگر وہ مان و اعتبار کی دھجیاں اڑانے کے درپے تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ گھر کے کسی فرد سے مشورہ لینا اپنی عزت افزائی کر دینے کے مترادف تھا۔ دوستوں سے وہ اتنا فری نہیں تھا۔ شایان کے میکے میں اس کی گورنری ہی تھی جو بچپن سے اس کے ساتھ تھی۔ اس سے کیا پوچھتا۔ اس کے والد محترم بزنس ٹور پر ہی رہتے تھے۔ اس کا ذہن الجھ کر رہ گیا تھا۔

روز نیا مسئلہ..... روز نیا انداز۔ امی کی خاموشی اور جھکی نظریں۔ بھابیوں کے طنزیہ انداز۔
”آج تمہاری بیگم نے تم سے اتنی لمبی گفتگو کی، وہ مجھے..... بھی کمال ہو گیا، کیا تمہیں گھر میں بات کرنے کا موقع نہیں ملتا۔“ بڑی بھابی کی آواز..... اس کا چونکا۔

”مجھ سے.....؟“ بے ساختہ ہی منہ سے نکلا۔

”اچھا، تم نہیں سمجھتے تو پھر.....“ کمال مصومیت سے اس پر ٹھنڈوں بانی گرا دیا۔

”کمان کچھ کر رکھو صاحبزادے ایسا نہ ہو کہ.....“ رعنا بھالی سر سے لے کر پاؤں تک اسے دیکھتی باہر نکل گئیں۔ وہ بیٹھا ہوا لاؤنج میں کھڑا تھا۔ اس کا فشار خون بڑھ رہا تھا کہ بڑا بھالی اندر آ گئیں۔

”تم آن گئے۔ امی ابھی تمہارا پوچھ رہی تھیں۔ مل لینا ان سے۔“ اک کاٹ دار نگاہ اس پر ڈالتی باہر نکل گئیں۔ وہ ہونے پر گر گیا۔ ایک اور شرمندگی بلکہ دوسری شرمندگی۔

”کیا واقعی شایان ناقص افضل ہے یا پھر کوئی اور بات ہے۔ وہ محبت کی زبان سمجھ رہی تھی اور نہ ہی اسے احساس کی شدت کا اندازہ تھا۔ واقعی محبت خود غرضی کے لبادے میں لپٹ رہی تھی۔ بادیاں کے کھلنے کا اشارہ دیکھ رہی تھی یا پھر.....“ بالوں میں انگلیاں پھنسا کر اک لکھ کو سوچا۔“ چپکے سے راہ فرار اختیار کر لے۔ مگر کب تک.....؟ تمکا ہوا سانس لے کر اٹھا۔

”جی امی.....“ عبادان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ تسبیح کے دانے گرائی ان کی انگلیاں محرم گئیں۔

لاٹھیاں پکڑو

”کیا بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے، اتنا چہرہ اتر ا ہوا کیوں ہے۔ کھانا کھایا تھا دوپہر کو؟“ امی نے فکر سے اس کا ہاتھ تھاما۔ اس کی آنکھ بھرا گئی۔ اتنی غلط، پیاری، زیرک نگاہ سے اندر کا حال جان لینے والی ماں کو کتنا دکھ دیا تھا۔

”جی امی، آپ نے بلایا تھا۔“ جو کہنے کے لیے بلایا تھا انہوں نے وہ اندر ہی پی لیا۔ اپنے بچے کی پریشانی انہیں نظر آ رہی تھی۔ مزید پریشان کیا کرتیں۔

”مجھے تمہاری بڑی فکر رہتی ہے بیٹا، کھانے پینے کا دھیان رکھا کرو۔“ بالوں میں محبت سے ہاتھ پھیرا۔ ایک گہری طمانیت اس کے وجود میں ٹکرتی چلی گئی۔

”اتنا یاد کاہم مت کیا کرو۔“

”کام سے ہی تو زندگی ہے امی۔“ ان کا ہاتھ محبت سے تھام لیا۔ ”آپ کی طبیعت کیسی ہے؟“
”بالکل ٹھیک ہے۔“

”آپ نے بلایا کیوں تھا؟“ وہ اندر ہی اندر بے چین تھا۔

”تم صبح مجھ سے ملے بغیر چلے گئے تھے نا؟“ انہوں نے اس کی بے چینی بھانپ لی۔

”اودہ“ عباد نے گہرا سانس لیا۔ ”آئی ایم سوری امی دراصل صبح دیر ہو گئی تھی اور میں جلدی میں تھا۔“
”ناشتا بھی نہیں کیا تھا حالانکہ ٹیبل پر ندانے تیار کر دیا تھا۔“ وہ اندر تک شرمندہ ہونے لگا۔

”سوری امی، آئندہ احتیاط کروں گا۔“

”الارم لگا کر سویا کرو، جلدی سویا کرو۔ دیر تک کام مت کیا کرو۔ صحت ہے تو زندگی ہے، محبت برباد مت کرو۔“ وہ دھیرے دھیرے محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے سمجھا رہی تھیں۔ ان کی گفتگو میں شایان کی شکایات تھیں نہ شکوہ۔ ماں بیٹے کی خالص محبت کی گفتگو۔ عباد انہیں بے حد عزیز تھا۔ محبت کے منہ زور گھوڑے پر سوار ہو کر اس نے اپنی زندگی کو گریبن لگایا تھا۔ اس کا اترا ہوا چہرہ تیار ہاتھ ماں کی شکایات اور بیوی کی منہ زوری کو وہ دل پر سہہ رہا تھا۔ اپنی غلطی پر پشیمان تھا بہت دیر تک وہ ان سے باتیں کرتا رہا پھر ابو

جون 2007ء

آگئے۔
 ”ارے تم ادھر ہو۔ وہاں تمہارا خون آیا ہے میں
 سمجھا کر میں نہیں ہوں۔“
 ”کس کا خون تھا؟“ عباد نے اچنبھے کے انداز میں
 دیکھا۔

”شایان کا آپا کے گھر سے۔ کہہ رہی ہے کہ جادید
 کی گاڑی خراب ہے، عباد سے کہیں کے مجھے آکر لے
 جائیں یا میں ٹیکسی سے آ جاؤں۔“ وہ چونکا۔ اس کے
 کان ہی نہیں روکتے بھی کڑے ہو گئے۔
 ”شایان، مریم پچھو کے گھر۔“ چدمعی دارد۔۔۔۔۔ ای
 کی جانب نگاہ کی۔ انہوں نے نگاہ چرائی۔
 ”وہ وہاں کیوں گئی ہے؟“ عباد نے دونوں کی
 جانب ایک ساتھ دیکھا۔

”سعید سے اس کی دوستی ہے نا۔ فلک کی شادی کی
 وجہ سے بلا لیتے ہیں۔“ امی صبح کے دانے گرانے لگیں۔
 ”مجھے معلوم ہی نہیں۔“ بے ساختہ ہی منہ سے لگا۔
 ”کب گئی تھی؟“ عباد نے بے چینی سے پوچھا۔
 ”صبح سے۔“ اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔
 ”اسے اکیلے جانے کیا ضرورت تھی۔ آپ ساتھ
 جاتیں یا کسی بھابی کے ساتھ چلی جاتی۔ آپ۔۔۔۔۔ آپ
 نے۔“

”بیٹا جی، گھوڑا منہ زور ہو تو اسے لگام ڈال لی جاتی
 ہے اور اگر وہ لگام ڈالوانے کے موڈ میں نہ ہو تو پھر کچھ
 عرصے کے لیے اسے ویسے ہی چھوڑ دینا چاہیے تاکہ شر
 زوری ختم ہو جائے۔ تمہاری بیگم الگ ہی میچر کی ہے۔
 کچھ خود سر، باغی اور جب زبان۔“ اس کا سر جھک گیا ابو
 کے ارشادات سن کر۔

”اس کے ساتھ کچھ نفسیاتی پرالیم ہے میرا خیال
 ہے کہ اسے کسی سائیکالوجسٹ کو دکھاؤ۔ ہر بات کی رٹ
 کرتی ہے گویا ہم سب اس کے دشمن ہیں۔ اس کا مسئلہ کیا
 ہے، کیا جانتی ہے وہ۔“ رُمن صاحب نے بغور اسے
 دیکھا۔ ”الگ گھر۔۔۔۔۔ الگ رہائش“ عباد نے جھکے سے
 سر اٹھایا۔

”ابو آپ لوگوں کو چھوڑنے کا، اس گھر سے جانے

کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جس کو بہنا ہے نہیں رہے چاہ
 ہے تو جائے۔“ وہ جھٹکے سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ زبیر
 بیگم تاسف، ملال، دکھ اور رنجیدگی سے اسے جاتا دیکھتی
 رہیں۔
 ”کتنا کمزور اور رنجیدہ ہو گیا۔“

”محبت کا بخار جب اپنا زور توڑ دیتا ہے تو بونہی
 انسان ڈھیلہ ہو جاتا ہے۔ بچوں کو ان کی ناخروائی کی ہر
 ضرورت ملنی چاہیے ایسے ہی عقل سمجھتے ہیں۔“ رُمن صاحب
 نے اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کرتے ہوئے متانت سے کہا۔
 ”آپ نے اسے بد دعا دی ہے۔“ زبیرہ رُمن
 نے دہلی کر انہیں دیکھا۔

”نہیں، دل تو دکھایا تھا نا؟“ دھیرے سے آنکھیں
 بند کر کے انگلیوں کی پوروں سے انہیں دبایا۔ رنجیدگی
 کے بادل اپنے پر پھیلا رہے تھے۔

”ایسی خوشی کا کیا فائدہ جو بیٹے کے لیے دکھ بن
 گئی۔ کتنا سنجیدہ ہو گیا ہے وہ۔ زندگی کا ساتھی اگر
 حساس، زورورنج اور سمجھ بوجھ والا نہ ہو تو زندگی ایک
 منہ ہمار میں رک جاتی ہے۔ اکیلا آ دی کب تک اکیلے
 چل سکتا ہے۔“

”مجھے تو وہ بہت غلط سمجھتی ہے۔ لیے دیے والا
 انداز ہوتا ہے۔ کوئی جھٹائی اسے منہ لگاتی ہے اور نہ کسی
 کا دم بھرتی ہے۔ جانے کس نہر کی ہے۔“ ان کے لہجے
 میں دکھ تھا۔

”اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، چپک چپک گھر کا
 ماحول خراب کرے گی اور دوسری بہوؤں پر بھی غلط اثر
 پڑے گا۔“ رُمن صاحب نے انہیں دیکھا جو بیٹے کی محبت
 میں اس کی ناخروائی کے باوجود بہت رنجور ہو رہی تھیں۔
 ”اسلام آباد چلیں بھابی جان کے پاس۔“ ان کی
 دلجوئی کے احساس سے کہا۔
 ”یہاں کے مسئلے۔۔۔۔۔“

”یہاں کوئی مسئلہ نہیں ہے جو ہے وہ خود ہی حل
 کر لیں گے تم پریشان مت ہو کر دو۔ جانتی ہو کہ تمہاری
 پریشانی مجھے کتنا ہرٹ کرتی ہے۔“ ہاتھ پھیلا کر محبت
 سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ گہری عقیق سوچ میں گم وہ

دیرے دیرے تیج کے دانے گر رہی تھیں۔

☆☆☆

”تم..... تم مجھے آفس فون کر سکتی تھیں، مجھے انفارم کر سکتی تھیں مگر تمہیں کیا۔ تمہیں میری پروا ہی کب ہے جو دل چاہتا ہے کرنی ہو اور تمہیں اسکے پھو کے گھر آنے کی کیا ضرورت تھی۔“ عبادت مشتعل تھا۔ پھو کے گھر سے فوراً اسے لے کر نکلا اور گاڑی میں بیٹھنے ہی گیس کے غبارے کے مانند پھٹ پڑا۔

”ندا بھابی، راحہ بھابی کو ساتھ لے لیتیں مگر تم۔“
”عباد اگر آپ کو مجھے لانے کے لیے کوئی اہم کام چھوڑ کر آنا پڑا تو نہ آتے میں بھی بھول جاتی ہوں کہ آپ مجھے اپنی ذمے داری نہیں سمجھتے۔“ جہانپور سید کرنے والے انداز میں سر گھما کر اسے دیکھا۔ الٹی کھوپڑی۔ ”سعیہ میری بہت اچھی دوست بن گئی ہے اس کی بہن کی شادی ہے وہ خود لے آئی تھی۔ پھر وہاں ایلا آئی بھی آئی تھیں۔“ وضاحت کی۔

”تم..... تم!“ عباد نے کہا جانے والے انداز میں دیکھا۔

پھو کے بڑے دادا سے وہ ابھی مل کر آ رہا تھا۔ ہیل گنڈی آنکھیں باریک بنی سے منقب مخالف کی جانب اٹھتی تھیں۔ اسے قطعی پسند نہ تھا جمال کا فریک ہوتا۔ یہ..... یہ لڑکی کیوں نہیں سمجھتی۔

”شایان خود کو بدلو، میری خاطر، اس گھر کی خاطر۔ شادی سے پہلے جو تھا وہ تھا، اب تم ایک ذمے دار عورت بن جاؤ۔ گھر داری سنبھالتی۔ اس بات کی پروا کرتی کہ تمہارے شوہر نے ناشتا کیا، اسے کس وقت کیا چاہیے۔“ وہ لب لہجہ کرلفظ چپا کر بول رہا تھا۔ ”آئندہ جانا ہے تو امی کے ساتھ جانا۔“ اس کا بے نیاز رویہ عباد کو سلگا رہا تھا۔ کس قدر خود غرض ہے یہ لڑکی اسے میرے غصے کی پروا ہے نہ سلگنے کی۔ جھگڑے سے گاڑی گھر کے گیرج میں کھڑی کی اور وہ شان سے اتر کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ عباد نے بخیریدگی، نامساعد طحال سے اس بے نیازی کی شال اوڑھے ”سو داٹ“ کا سلوگن گنگناتے ہوئے شایان کو اندر جاتے دیکھا اور شدت بیچارگی سے

اسٹیزنگ پر شریک دیا۔

کیا اس نے غلط فیصلہ کیا ہے۔ امی کی بددعا میں یا بہنوں کی ناپسندیدگی۔ شایان پر کسی زبان کا نہیں ہوتا۔ کیا وہ اس سے محبت نہیں کرتی۔ محبت رنگیلے بادل شبنم کی صورت اس پر برسنے لگے۔

☆☆☆

جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ اس کی شکایت بوجھ جاری تھی، اس کا جانا پھو کے گھر بڑھ گیا تھا۔ عباد کی سستی ہی نہیں تھی۔ اس کی شخصیت کے شجر کو تربیت کا پانی نہیں ملا تھا۔ کبھی کسی نے روک ٹوک کی ہی نہیں تھی۔ پھر برا سمجھا یا ہی نہیں تھا اور تھا ہی کون سمجھانے والا۔ گھر کی زندگی کے اسرار و رموز کو وہ کیسے جان پاتی اور وہ جان سکتی بھی نہیں تھی۔ اس کی دوستوں نے اسے جاننے ہی نہیں دیا۔ اسی طرح کی سر پھری، بددماغ اور آزاد خیال۔ اس کے کان بھرتیں۔

”سنو، ساس کو منہ مت لگانا اور جھٹانی سے تمہیں کیا لہا دینا، میاں کو مٹھی میں رکھو بس۔“

”اور کوشش کر کے ایسا ماحول بنا لو کہ ساس تمہیں الگ ہی کر دیں اگر نہیں تو تم زبردستی ہو جاؤ۔“

”اپنی مرضی کرنا، سن پسند زندگی گزارنا۔ اگلے راج کرنا، شوہر کی کمائی کھانے کا الگ ہی مزہ ہے۔“

”تمہیں کیا پڑی ہے خدمت گزاریاں کر دے۔“ آ نکھیں بند کر کے وہ اپنی چیمٹی دوستوں کے کپے پر چل رہی تھی۔ اپنی عقل اس نے ان کے پاس ہی رکھوا دی تھی۔ تو سمجھ بوجھ کیوں قیام کرتی اس نے ہر تولنے میں دیر نہیں لگائی۔ عقل سمجھ سے خالی وجود بھر بھری مٹی ایسا ہوتا ہے۔ ذرا سی ٹھیس لگی اور بھر بھری مٹی کی طرح زمیں بوس۔ اس نے حالات کو بہت خراب کر دیا تھا ساس کی خاموشی پر حیرت ہوتی تھی۔

”تمہاری ساس تو مجھے ساس لگتی ہی نہیں ہیں۔ ساسوں سے بھلا بہوؤں کی زبان، میزبانی نگاہ برداشت ہوتی ہے کیا۔“

”نہیں، واقعی بہت اچھی ہیں کبھی مجھے انسو ہوتا ہے میں زیادتی کر رہی ہوں۔“

جون 2007

میوزک سن رہی تھی۔ عباد کی آواز پر ہڑبڑا گئی۔
”کیا ہوا؟“

”بھابی!۔۔۔ دروازے پر تین کھڑی تھی۔ بیگہ ہو
پہرہ سوچی ہوئی آنکھیں۔ وہ سیدھی ہوئی، تین اس کی
مرانی ساس کی بیٹی تھی۔

”میں نے کب کہا تھا کہ میں حسام کو پسند نہیں
کرتی، میری منگنی زبردستی ہوئی ہے اور یہ کہ مجھے تو کہیں
اور کرنا تھی، بتائیے۔“ وہ اس کے سامنے رکی۔

”تم نے تو کہا تھا فلک کے سامنے۔ مریم بھوکے
گھر۔“ شایان نے کمال معصومیت سے آنکھیں پٹ
پٹائیں۔ ”جب میں نے پوچھا تھا کہ حسام تمہیں کیسا لگتا
ہے۔ تو تم نے نہیں کہا تھا میری تو مرضی نہیں تھی گھر والوں
کا فیصلہ تھا تو پھر مجھے ہاں تو کرنا ہی پڑے گا۔“

”تو گھر والوں کا ہی فیصلہ ہے، پوچھ لیں آپ کی
بات سن کر وہ لوگ منگنی توڑ رہے ہیں۔“

”ہا۔۔۔!“ شایان نے منہ پر ہاتھ رکھ کر کمال
معصومیت سے آنکھیں پھیلائیں۔ ”مگر میں نے
تو۔۔۔“

”شایان تمہیں کیا ضرورت تھی جھوٹ بولنے کی۔“

عباد کھانے والے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

”عباد، یہ سچ ہے اب تین جھوٹ بول رہی ہے تو
میں کیا کروں۔“

”نہیں۔۔۔ نہیں بھابی۔۔۔ نہیں۔“ وہ پھوٹ

پھوٹ کر رو رہی تھی اور شایان کی مکاری کو اس پر رحم نہیں
آ رہا تھا۔ وہ باہر نکل گئی عباد سے گھورتا ہوا پیچھے نکل گیا۔

پھر شایان کو اس کھیل میں مزہ آنے لگا۔ تین اور حسام
آپس میں کزن تھے۔ ان کی منگنی ٹوٹنے کی آخری اسٹیج پر

تھی کہ اچانک ہی دونوں کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی

ساری بساط ہی الٹ گئی۔ سب کا رویہ اچانک ہی اس
سے اکھڑا اکھڑا ہو گیا۔ عباد کی خواہش تھی کہ اس کی بیگم

بھی گھر والوں کے ساتھ مل کر رہے جوانی کی طرح اس
کے سینے میں پیچھ کر رہ گئی۔ شایان کا رویہ، سلوک، لہجہ

یکسر دیکدم بدل گیا تھا اور امی بس چپ چاپ دیکھ اور
نوٹ کر رہی تھیں۔ انہوں نے نہ بولنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

”اے۔۔۔ اے۔۔۔“ ملکہ نے اس کے سامنے ہاتھ
لہرایا۔ ”یہ تمہاری ساس کی مکاری ہے خاموشی کا چال
ڈال کر تمہیں قید کر لیں گی تاکہ ساری عرصہ سے غلامی
کر دلائیں۔ خردوار، ہونٹ ان کے چال میں پھنسیں عباد کو
اتنا مجبور کر دو کہ وہ تمہیں الگ گھر میں رکھے۔“ ملکہ نے
پٹی بڑھائی۔ الگ گھر، سکرانی، صرف عباد اور وہ۔ ایک
نشہ، ایک نشاط اس کی رنگوں میں دوڑنے لگا۔

”عباد کو معلوم نہیں کیا ہوا ہے، میری تو وہ سنتے ہی
نفس میں اتنا ڈانٹ دیتے ہیں۔ بہت بدل گئے ہیں
وہ۔“ شایان بچیدہ تھی۔

”ایسا کرو۔“ ملکہ نے غزل کو آگے باری اور شایان
کی جانب کھینک گئی۔

”مجھے لگتا ہے کہ میں کبھی الگ گھر نہیں بنا سکتی وہ
تو۔۔۔“ بے چارگی سے دوستوں کو دیکھا۔

”ارے ہم ہیں نا، مگر ہی مت کرو۔“ نازش نے
سینے پر ہاتھ مارا۔

”ارے شراغیزی اختیار کرو۔ دو چار ہوائی اڑا
دو۔ خاندان کی لڑکیوں کے تجھے مشہور کرو۔ اس کی اس
سے اور اس کی اس سے۔ پھر دیکھنا۔۔۔ یوں۔“ ملکہ نے

ہوائی چنگی بھائی۔

”کیسے، تمہاری ساس بلا کھ کر الگ کرتی ہیں۔ ذرا
ماڈرن رخ کو مزید پھیلاؤ۔ گھر کی فضا کو گرم کرو۔ عباد

کے سامنے کام کے بلوچہ کا رونا روؤ۔ دیکھنا یوں۔۔۔

سنوں میں تمہارا گھر بننا ہے۔“ عاقبت نا اندیش لڑکیاں

کیا، کیا پروگرام بنا رہی تھیں اور تقدیر ان کے کیسے پر
شاہ طرہ کھیل کھیلنے کو تیار تھی۔ جو خود اپنے ہیروں پر

کھلاڑی مارنا چاہتے ہیں۔ تقدیر دروازے سے ساتھ دیتی
ہے۔ پھر اس کی پروا نہیں ہوئی، بندہ کتنا زخمی ہوا، کتنا

فلکست خورہ ہے یا۔۔۔ اس کا کتنا نقصان ہوا۔ اچھایا
را۔ خدا نے دور استوں کا تین کر دیا۔ بندے کو عقل کل

نما دی۔ اب یہ بندے کی مرضی کہ وہ کیا رخ اختیار کرتا
ہے۔

☆ ☆ ☆

”اشو۔۔۔ اشو تم!۔۔۔ وہ جو بڑے سُر اور موڈ میں

خاندان کا دوسرا قصہ نالکھ اور آخاق کا تھا۔ ان کا
ایک بڑا مشہور کردیا۔ بڑی بھائی کی کزن تھی نالکھ جو
اپنے کزن کے ساتھ اکثر آ جاتی تھی۔ شین و حسام کا
ساتھ خدا نے دیا ان کی شادی ہو گئی مگر بڑی بھائی نے تو
شایان کے لئے لے لیے۔

گھر میں گھسسان کا رن پڑا۔ تو تو، میں میں۔
شایان میں ادب، لحاظ تیز کا فقدان تھا، بڑی بھائی کو بے
عزتی کا احساس ہوا۔ انہوں نے بالکل ہی شایان کا
باہکات کر دیا اور زبیدہ رحمن نے اب کی بار سنجیدگی سے
نوش لیا۔ خاندان بھر میں تھو تھو ہو رہی تھی آپو جان کی چھوٹی
دہن کتنی طرار ہے۔ اس کے قصے، اس کی باتیں۔ گھر کا
ماحول ایک تناؤ اور کشیدگی کی کیفیت۔ انہوں نے دل پر
چھر کر لیا۔

”عباد، تم اپنی بیگم کو لے کر الگ چاہو تو انیسویں میں
رہ سکتے ہو۔ یا پھر نکشن والے فلیٹ میں۔“

”جی.....!“ عباد نے نگاہ چرا کر فیصلہ دیتی ماں کو
ہٹکا ہوا کر دیکھا۔

”میں نہیں چاہتی تمہارا گھر خراب ہو اور نہ ہی یہ
چاہوں گی کہ اس گھر کا ماحول خراب ہو۔ ماحول اور گھر
دونوں ہی بڑی مشکل اور چاہت سے بنتے ہیں۔ میں
نے اپنے نکشن کی چٹان نہیں بھیرنی، جو صورت حال ہے
وہ سب تمہارے سامنے ہے۔“ عباد دل شکستہ سا ان کے
سامنے دوڑا نہ ہوا۔

”آپ ابھی تک مجھ سے ناراض ہیں؟“ عباد نے
پوچھا۔

”نہیں، میں تم سے ناراض نہیں بیٹا مگر تمہاری بیوی
کی موجودگی میں اس کا نظریہ رہتا ہے۔“ زبیدہ بیگم نے
کہا۔

”تو ای آپ اسے سمجھائیں، اس گھر کے طور
طرز سمجھائیں۔“ عباد نے ان کے دونوں ہاتھوں کو
تھام لیا۔

”جو شوہر کی نہیں سنتی وہ ساس کی کیسے سنے گی۔ میں
اس کے ہاتھوں سے عزت نہیں ہونا چاہتی۔ اس کی گز بھر
میں زبان۔ کیونکہ تو زری اور جھگڑا لالچہ۔“

بہار کا پیر

”ای!“ عباد کہہ سے انہیں دیکھتا چپ ہو گیا۔
”وہ سیکھنے کی عمر سے گزر چکی ہے۔ وہ الگ گھر
چاہتی ہے، اس کی یہ خواہش بھی پوری کر دو۔“ اس کی
آنکھوں میں دھواں بھرنے لگا۔ اس کی محبت اس کے
جکے میں اگلنے لگی تھی۔ زندگی کا احساس ایک دم سے
یو جھل اور بھاری ہونے لگا۔

”پھر کیا فیصلہ ہے؟“ بیٹے کے جکے ہوئے سر کو
ملامت سے دیکھا۔ ”مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے
مگر.....“ زبیدہ بیگم نے ملامت سے اسے دیکھا۔

”امی، میں نے آپ کو دکھ دے کر جو فیصلہ کر لیا
ہے کافی ہے، مجھے اس پر بہت شرمندگی ہے مگر.....“ عباد
نے سر اٹھایا۔ ”آپ کو اب کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“
عباد دھیرے سے اٹھا اور باہر نکلنے لگا۔

”شایان میکے گئی ہے۔“ زبیدہ بیگم نے کہا تو پلٹ
کر عباد نے ماں کو دیکھا اور باہر نکلی گیا۔ اس کا دل و
دو درنجی دالم میں ڈوب رہا تھا۔ اسے شایان کو چھوڑ دینا
چاہیے۔ اس کا اور اس کا ساتھ اتنا ہی تھا۔

اس پر کسی کے سمجھانے کا اثر ہی نہیں تھا اور تھی وہ
اسے خاطر میں لا رہی تھی۔ اسے خبر ہی نہیں اور وہ میکے گئی
ہوئی ہے۔ اس کی پردا ہے اور نہ خبر۔

”شایان!“ عباد نے دھیرے سے سر تھام لیا۔

”تم نے میری محبت کو میرے لیے رستا ہوا ناسور بنا
دیا ہے۔ بے خبری تمہیں بہت تنگی پڑے گی، تمہیں خبر ہی
نہیں ہوگی کہ میں تمہارا نہیں رہا۔“ پلکوں کی سطح جھینگنے
لگی۔ دھیرے سے فون اٹھایا اور نمبر ملانے لگا۔

”ہیلو میں شایان۔“

”شایان تم ابھی میکے میں رہو میں اسلام آباد جا رہا
ہوں، آؤں گا تو تمہیں لینا آؤں گا۔“

”مگر..... مگر.....“ شایان نے کچھ کہنا چاہا تھا۔ اور
لفظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے۔ عباد نے فون رکھ دیا۔
اس کی بات سنی نہیں، کیوں۔ اسے عجیب سا فیل ہوا۔

”کیا ہوا، تم نے بتا دیا عباد کو؟“ سانس زری
کھڑی تھی۔ ”نہیں..... انہوں نے کہا ہے کہ میں اسلام
آباد جا رہا ہوں وہاں آ کر بک کر لوں گا۔“

”ویلڈن! یہ تو بہت اچھا ہوا۔“ اس نے آنکھ دبا کر غزل کو دیکھا۔ ”یہ تمہارے باپ کا گھر ہے، مزے اڑاؤ۔ اور ہم فریبوں کا فائدہ بھی ہو جائے گا۔ محبت کے مارے عاشق، نوادے مل بھی لینا۔ سچ بہت آجیں بھرتا ہے تمہارے لیے۔ اب تم عملی جامہ پہناؤ اور واپس مت جانا۔ الگ گھر کی بات کرو، الگ گھر عورت کا حق ہے۔ تم کیوں اپنے حق سے دستبردار ہو۔“ ملکہ نے پٹی پڑھائی۔

الگ گھر اس کا خواب تھا مگر اس کی ساس نے بیٹے کو ٹھنی میں دبا رکھا تھا۔ اپنے خوابوں کی تعبیر دوسروں کو دے رہی تھی۔

”زوری!“ وہ دم سے صوفے میں جھنس گئی۔ ”بھئی بھئی مجھے بہت کٹھن مل ہوتا ہے عباد..... عباد کی امی سب اچھے ہیں اور میں غلط کر رہی ہوں، کیوں غلط کر رہی ہوں سمجھ نہیں آتا۔“

”اے..... اے.....“ ملکہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا۔ ”ایسا سوچنا بھی مت۔ ابھی موقع ہے سطح بھی ہموار ہے مانگ لو۔ آئندہ چند سالوں میں ماں کا بچہ عباد یہ نہیں کرے گا۔“ اس کا دل خالی خالی ہو رہا تھا اور اسے اس خالی پن کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس کی سہیلیاں خود مختاری کے نئے سبق پڑھانے لگیں جس میں سر اسرار کا ہی فائدہ تھا۔

وہ آزاد خیال فیشن ایبل لڑکیاں تھیں جنہیں اپنے تحرل اور جنوں خیز یوں کے لیے ایک الگ ماحول، جگہ کی ضرورت تھی اور شایان ان کے ہاتھ میں جادوئی ہتا تھا۔ پیپر، ساتھ، خاموشی، رہائش، سب میسر تھا۔ جو چاہتی کروا لیتیں اور شایان ان کے ہاتھوں میں کھیل جی ہوئی۔ اسے خبر ہی نہ رہی کہ محبت کے راستے اس کے لیے بند ہو گئے ہیں۔ چاہت کے درد اوزوں پر دکھ کے قفل لگ گئے ہیں جنہیں رنج کا زنگ لگ گیا تو بھی نہیں کھلیں گے۔

☆☆☆

امی کے فیصلے نے اس کے قدم اکھاڑ دیے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شایان نے اس حد تک ہرٹ

کر دیا ہے کہ وہ سنجیدگی سے اسے علیحدہ کرنے کے بارے میں سوچیں گی۔ شایان کے طور طریقے الگ کہانی بنا رہے تھے۔

اس نے بھی اپنی زندگی کا بڑا اور سخت فیصلہ کر لیا۔ شایان کو طلاق دینے کا۔ زبردستی کے اس ساتھ کو نبھانے کا کیا فائدہ۔ جب ہر سو شکایت، ملامت اور رنجیدگی کی فضا ہو۔ خود شایان بھی تو رہنا نہیں چاہتی۔ اس کی زندگی میں کیا اہمیت تھی عباد کی۔ ہر فیصلہ اس کا اپنا ہوتا۔ محبت تو اسے بھی ہی نہیں۔

”ماڈرن ازم کا شکار لڑکیاں شاید محبت نہیں کر سکتیں پھر پڑاؤ ڈالنے کا فائدہ۔“ اس نے اپنے دل کو سخت کر لیا۔

دن بڑے بے کیف، روکھے اور اداس گزر رہے تھے۔ چاہتے ہوئے بھی اس نے شایان سے رابطہ نہیں کیا۔ اور گھر میں کوئی بھی شایان کے موضوع پر اس سے بات نہیں کرتا تھا اور وہ سخت اپ سیٹ تھا۔ شایان کو اس قدر ناپسندیدگی سے دیکھا جاتا ہے فی الفور اس کا دل کھینچ لیا تھا کہ اسے علیحدہ کر دیا جائے۔ اس نے علیحدہ کر دیا تھا اور اب رشتے کے خاتمے کے لیے اس کا دل کٹ رہا تھا۔ یہ احساس ہی سوہان روح۔۔۔ تھا کہ وہ شایان کو چھوڑ بھی سکتا ہے جس کو اتنی محبت اور جھگڑے سے حاصل کیا۔ کیا محبت اس کے لیے بد قسمت ٹھہری تھی۔ اس سے منسلک محبت کے رشتوں کی ناپسندیدگی اس کے لیے بد دعا بن گئی۔ انہما دنوں جب وہ اپنی ازدواجی زندگی کے حوالے سے بہت پریشان تھا، سب فیصلے اس کے اپنے تھے۔ اسے سوچنا تھا دل کا ایک محبت آمیز گوشہ مفاہمت و افہام کی راہ پر گامزن ہونے کی ترغیب دے رہا تھا۔ درگزر کا راستہ سمجھا رہا تھا مگر درگزر وہاں ہوتا ہے جہاں سامنے والا فریق کچھ راضی ہو مگر وہاں تو دیدہ دلیری تھی۔

ملکہ، غزل اور زوری اس کے گھر کی تنہائی کا بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھیں روز شام کو اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ آ جاتی تھیں اور رات گئے تک یہ مخلوط محفل کباب، شراب ہوتی، بھر پور انجوائے منٹ کے ساتھ۔ شایان

سہا والد سے رابطہ صرف نو بن پر ہوتا تھا اور فی الحال وہ نہیں آرہے تھے۔ سارہ آئی کی اہمیت ہی کتنی تھی۔ بے شک ساری عمر پالا تھا مگر والوں کی غیر موجودگی میں گھر کا خیال و دھیان رکھا تھا مگر بے راہ رو دوستوں، من مانی، من مرضی کے فیصلوں، بے دریغ پیسے کا استعمال اور حد سے بڑھی ہوئی آزادی نے سمجھ بوجھ کے پودے کو پروان چڑھنے ہی نہیں دیا۔

ایک ماہ ہو گیا تھا اسے گئے ہوئے۔ گھر کا ماحول دیباہی پر امن اور پرسکون تھا۔ اس نے بھی کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس روز اسی کے پاس بیٹھا تھا کہ اچانک ہی سر جھکا کر قدرے سخت مزاحی سے کہا ”امی میں اسے طلاق دے رہا ہوں۔“

”کیا.....!“ انہیں اپنی سماعت پر شک گزرا۔ ”کیا کہا؟“

”ہاں، امی، مجھے اعتراف ہے میرا فیصلہ غلط تھا۔ جذبیوں کے مارے جذباتی فیصلوں کا انجام یہی ہوتا چاہیے میں اسے طلاق.....“

”ایسا سوچنا بھی مت عباد! ہمارے خاندان میں کبھی کسی کو طلاق نہیں ہوئی۔“

”امی..... میرا اس کے ساتھ گزارہ اب بہت مشکل ہے۔ وہ آزاد خیال ایک گھر بنانے کے قابل ہے، نہ گھر میں رہنے کے۔“

”تم اسے الگ گھر لے کر دو سمجھاؤ۔ دراصل وہ اکیس گھر میں رہی ہے۔ اسے اتنے سارے افراد کے درمیان رہنے کی عادت نہیں ہے۔“

”امی.....“ وہ انہیں دیکھتا رہ گیا۔ انہوں نے نگاہ چلائی۔ ”اس کے باوجود کے اس نے اس گھر کے تمام لوگوں کو ہرٹ کیا۔ انہیں دکھ دیا۔ خاندان بھر میں اس کی وجہ سے جگ ہنسائی ہوئی۔ آپ اس کی سائیڈ لے رہی ہیں۔“

”ہاں، اس سب کے باوجود وہ تمہاری خوشی، تمہاری پسند بھی تو ہے۔ تمہارے گھر کی بنیاد بھی تو ہے، کھجائے گی۔ ابھی اسے اتنی گہرداری کی سمجھ بوجھ نہیں ہے۔ میں تمہیں الگ گھر بنانے کا مشورہ کبھی نہ دیتی مگر

اس کی جھٹائیوں سے نہیں بنی الگ مزاج کی لڑکی ہے وہ۔“

”امی! عباد نے دھیرے سے پیشانی مسلی۔ (وہ میری بھی تو نہیں ہے)

”اس کا مزاج ایسا ہی ہے میں اس کے حسین چہرے سے دھوکا کھا گیا تھا۔ وہ کسی بات کو نہیں سمجھتی۔“

”سمجھ جائے گی، سنسجل جائے گی بہت جلد۔ تم دیکھنا بس تم اسے الگ گھر لے دو۔“ ان کا اصرار تھا۔

”اپنے باپ کے گھر ٹھیک ہے، الگ ہی ہے وہ۔ کر لینے دیں سوچ میلا.....“ عباد نے متفرانہ انداز میں سر جھکا۔

”بس بیٹا، مجھ سے وعدہ کر دو کہ اسے طلاق نہیں دو گے۔“

”امی!“ عباد ان کے ہاتھی انداز اور بے بس آنکھوں کی چمک پر حیران ہوا۔

”آپ.....!“

”تم نے اپنی کوشش کر لی ہے، اب آخری کوشش اسے سمجھانے کی راہ پر لانے کی میں کروں گی پھر تمہیں اختیار ہے۔“ دھیرے سے ان کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر عقیدت سے چومتا عباد بے غرض محبت، بنا صلے و ستائش کے ماں کی عظمت کا قائل ہو گیا۔

”شام کو پپھو کی طرف چلنا ہے۔“ محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیلا۔

”کیوں.....!“

”ابتسام کی منگنی ہے نامدحت سے۔“

”میں نے نہیں جانا۔“

”تم جاؤ گے اور ضرور جاؤ گے۔“

”امی.....!“ عباد نے بے چارگی سے انہیں دیکھا۔

”بے شک نامدحت مجھے پسند تھی تمہارے حوالے سے مگر کوئی بات نہیں قسمت کے فیصلے ہوتے ہیں یہ بندوں کا کیا اختیار۔“ عقیدت، محبت اور فرط مسرت سے ماں کے گھٹنوں پر سر رکھا اس کی آنکھیں بھگ گئیں۔

کتنی عظیم ہوئی ہے ماں۔ بچوں کی غلطیاں،

”اچھا.....“ عباد کا خون رگوں میں ٹھہر گیا۔

”کمال کی چیز ہے اکثر فون پر بات ہوتی ہے بڑی
ساختگی سی ہوتی ہے۔ دل چاہتا ہے انسان اس کی
مہکتی ہوئی مہینے سے نکلے ہی نا۔“

”اچھا..... پھر کیا ارادہ ہے بھ“ ذو معنی سالجہ۔ عباد
کی ہنسیاں بچھنے لگیں۔

”ارادہ.....“ ٹھنڈا گہرا سانس۔ عباد کے خون کا
نثار بڑھنے لگا۔ وہ دونوں اس کی آمد سے بے خبر تھے۔

بے اختیار پلٹ کر اندر آیا۔ محفل کی رونقیں اپنے عروج
پر تھیں۔ اس کی محبت، اس کی بیوی، اس درجہ نمائشا۔

نعمی۔ کس بات کی کئی کئی اس میں کوئی روک ٹوک نہیں۔
کسی چیز کی تنگی نہیں۔ قید و بند کی پریشانی نہیں اس کی
پریشانی پر شکون کا جال تھا۔

”عباد، ارے عباد..... ادھر آ۔ سن تو ذرا۔“ اپنے
نام کی پکار پر پلٹا۔ اس کا ارادہ امی کو بتا کر جانے کا تھا۔

چھوٹی دادی اسے بلارہی تھیں۔
”جی دادی اماں!“ قریب آ کر سلام کیا۔ بے دلی

کے ساتھ ان کے قریب اخلاق بھانے کو بیٹھ گیا۔
”کیا بات ہے، کچھ پریشان ہو۔ کدھر غائب ہو

اور تمہاری بیگم کدھر ہے، وہ نہیں آئی کیا بھ“ عباد کے
شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھا۔

”بیگم.....“ زیر لب قدرے دکھ سے دہرایا۔ (ہم
جیسے بد نصیب جو بد عاؤں کے حصار میں ہوں کہاں بیگم

رکھ سکتے ہیں)۔ دادی اماں نے ہونے میں سے پان
نکال کر گھوری منہ میں ڈالی۔ ”نہیں.....“

”کیوں نہیں آئی؟“
”میکے گئی ہے، میں چلوں۔“ وہ اٹھنے لگا۔

”بیٹھو ذرا۔“ دادی نے بازو پکڑ لیا۔
”تمہاری بیوی ہے وہ، اپنے خاندان کے متعلق تم

نے ہی اسے سمجھاتا ہے اس کے اندر اخلاق حمیدہ کی کمی
ہے بیٹا۔ زندگی گزارنے کے طور طریقے، رہن سہن کے

انداز، رشتوں کو برتنے کے سلیقے کی بہت کمی ہے اس کے
اندر۔ رشتے جب تک اہم نہیں ہوتے جب تک ہم انہیں

اہم نہ سمجھیں یا اہم نہ بنائیں۔“ عباد ان کی شکل دیکھ کر

کوتاہیاں، کفارے کے طور پر اپنی جھولی میں ڈال لیتی
ہے۔ کاش! کاش..... وقت کے اس گھوڑے کو اپنے

ریخ پر چلا سکتا۔ ایک بار پھر گیا وقت آتا اور ماں کے
آگے سرخوں ہو جاتا۔ اسی مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے

مگر..... اشک ماں کے دامن میں جذب ہونے لگے۔
انسان بڑا خود غرض ہے، اپنی غرض، اپنی خواہش پوری

کر کے ٹھوکر کھا کر پھر سبھلتا ہے۔
☆☆☆☆

چپ چاپ خاموش، عباد گھر والوں کے ساتھ ایک
عرسے بعد کسی قریب میں شریک ہوا تھا۔ ہر چیز اس کی

ذہن پر نگاہوں سے گزرتی تھی۔ بڑی بھائی، براحمہ بھائی، ندا
بھائی۔ پھوپھو، خالد، مریم پھوپھو ہاتھوں ہاتھ لے رہی تھیں۔

دیر سے آنے کی وجہ جان رہی تھیں، اک دن پہلے نہ
آنے کا گھر کر رہی تھیں۔

کاش..... مگر کے پر، سن ماحول کا خواہاں عباد ہر
کر رہ گیا۔ تم بھی اس خاندان میں جگہ بنا ڈالیں،

تمہارا دامن بھی خوشیوں اور مسرتوں سے بھر جاتا۔ مگر
تجربائی کی خواہش اس کے قن من سے پلٹ کر قنص

کرنے لگی تھیں تو پیری محبت میں بھی گھر بنانا نہ آیا۔
جس میں مجھ سے محبت تھی ہی کب؟ اس نے باہر لان کی

جانب رخ کیا۔ چاند بادلوں کے پیچھے چھپ چھپ کر
نکل رہا تھا۔ بے چینیوں کے بادل تن من سے لپٹنے

لگے۔ لان کے دریاں گوشے میں لگی تنچا پر بیٹھ کر سگریٹ
سگایا۔

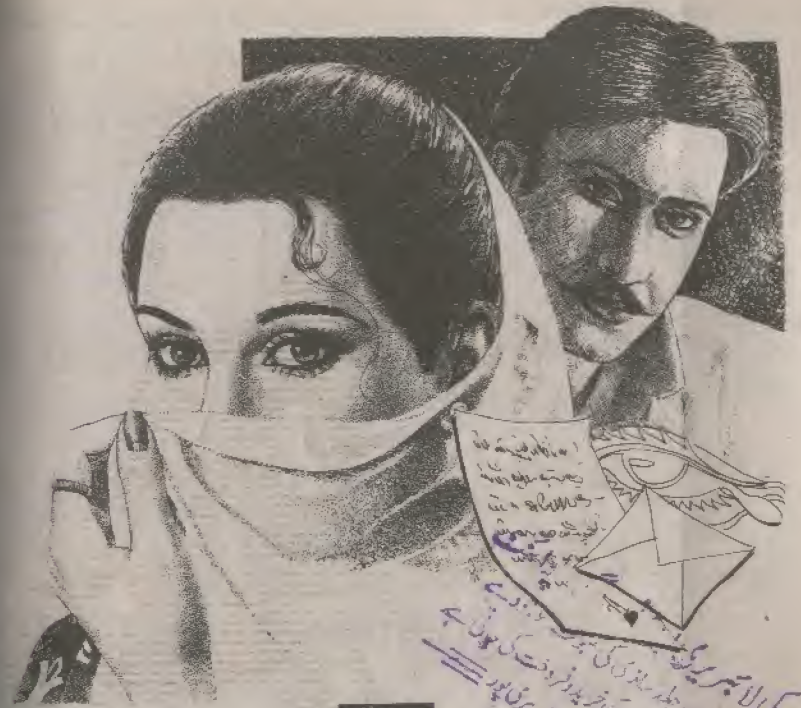
☆☆☆☆
”وہی آج آئی کیوں نہیں؟“ آواز پر وہ چڑکا۔
”خبر نہیں، مہمانی کے گھر والے تو سب آ گئے۔ عباد

بھی آ گیا۔“
”ہے خاصے کی چیز، محفل آباد کر دیتی ہے عباد کی

بیوی۔“
”اوپر سے ماڈرن لک دیتی ڈریٹنگ۔“

”لگتا ہے بڑی تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔“ عباد کی
تمام حیات یاد ہوئیں۔ یہ جاوید اور ابرار تھے۔

”میں نے تو اسے ذہنی گرایا تھا۔“



ناولٹ

اعتبار محبت

عالیہ حرا

غم، غم، غم، دکھ اور رنجیدگی سے اس کا دماغ پھٹ رہا تھا۔ اس کا دل چاہا خود جائے اور شایان کے کٹوے کر دے۔ کم عمر، ناقص العقل..... نابالغ تو نہیں تھی۔ کسی تربیت بھی اس کی جو اس کے ساتھ نہ تھی اسے نہ سکھایا۔ پورے خاندان میں عباد کی بیوی..... عباد کی دلہن کے نام پر تھوڑو ہو رہی تھی۔

”تف ہے تم پر عباد الرحمن۔“ بے اختیار شدید اعصابی جھٹکن دھسنے کے تناؤ میں مبتلا عباد نے گاڑی کا رخ

اس کے گھر کی طرف کیا۔

”آج سارا حساب بے باک ہو جائے۔ رہے رہے نہ رہے نہ رہے۔ محبت تو نثار دہو ہی چلی ہے۔“ مگر شایان کی قسمت اچھی تھی یا اس کی تقدیر بری۔ چونکہ اس نے کہا ”بلی ٹی گھر میں نہیں۔“ اس نے گھڑی دیکھی دس بج رہے تھے۔ گاڑی واپس موڑ لی۔ لب بچھنے دھواں اڑاتی آنکھوں کے ساتھ وہ رات گئے تک اپنے دل میں ماتم کناں شام غریباں مناتا رہا۔ اس کا دل ابورنگ باربار

آنکھوں کی سطح کو نرم کر رہا تھا۔

”عباد رات کو تم کدھر چلے گئے تھے سب تمہارا پوچھ رہے تھے۔“ بڑی بھالی ناشتے کی ٹیبل پر چمک رہی تھیں۔ ”خاص طور پر مریم پچھو۔“ ندا بھائی نہیں، وہ ان دونوں کو دیکھ کر رہ گیا۔ شایان نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہوتا تو یہ اچھا کرتیں۔ عباد نے سر جھکا کر چائے کا کپ کھسکایا۔

”آتے ہوئے آپ کی طرف چلے جانا بہت پوچھ رہی تھیں۔“ زبیدہ رحمن نے بیٹے کا ستا ہوا چہرہ دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

”جی!“ اس نے ایک سانس بے دھبائی میں اٹھا لیا۔ جانے کیوں بے انتہا دکھ سا ہوا۔ ہنستا، کھیلتا عباد محبت کا چاند پا کر گھبرا گیا۔ چائے کی کردہ اٹھ گیا۔ گہری سنجیدگی سے گاڑی باہر نکالتے ہوئے اس کے گھر کا رخ کیا۔ پیشانی پر شکنوں کا حال تھا۔ گیٹ پر چوکیدار نے بتایا، بی بی... تو فارم لو اس چلی گئیں اپنی دوستوں کے ساتھ۔“ اس کے کانوں کی لویں دھنکے لگیں۔ ایکلی تمہا شہر سے باہر۔ سندھ کے علاقے میں۔

”کب آئیں گی؟“

”معلوم نہیں۔“ اس نے گاڑی واپس موڑی۔

”آر پار اس کیل کو اب ختم ہو جانا چاہیے۔ اسے میرے ساتھ کی ضرورت ہے نہ میری ناراضی کی پروا اور نہ اس بات کا احساس کے اپنے پیچھے وہ کیا کر آئی ہے۔ اس کے حوالے سے لوگ اسے کیا کہتے ہیں۔ محبت نے سوائے دکھ کے کیا دیا۔ نقصان کے اس کیل کو ختم ہو جانا چاہیے۔ امی کو یہ سمجھا دو گا۔ اس کا ساتھ ممکن نہیں۔ میں غلطی پر تھا اور قسمت غلطیوں پر سزا ضرور دیتی ہے۔ تقدیر کے کاموں میں مداخلت کی سزا۔“

☆☆☆

آفس میں دن سوچتے ہوئے گزرا۔ آفس میں پچھو کا فون آیا۔ پچھو کے گھر جانا ہی پڑا اور انہوں نے شایان کے حوالے سے بے بھاد کی سنائیں۔ اسے اچھا خاص ذلیل کر ڈالا۔ دوسرے جھکائے سنتا رہا۔

”کیا دیکھا تھا تم نے اس کے اندر سیرت..... جو

نام کو نہیں، اخلاق..... جو قابلِ نفرت ہے عادتیں جو اسے گھر تباہ کر دیں۔ صورت..... صورت کو کب تک چاہے گے۔ محبت کرنی ہی تھی تو صورت سے کیوں کی غور سیرتی دیکھنا تھا۔ بے راہ روی، مکاری، آزادی..... اسے شیطان بنا دیا ہے۔“

”پچھو.....!“ وہ سانس لینے کو رکیں۔ ”میں سخت شرمندہ ہوں۔“

”تمہاری شرمندگی کو میں نے کیا کرنا ہے۔ خبر اس کی میں لوں گی۔ تمہارے پچھو یا کی طبیعت سنبھل جائے تو گھر آؤں گی۔ اس نے جو فعل ہوئی ہے میں سے جڑ سے اکھاڑ پھینکی ہے۔“ وہ سر جھکائے سنتا رہا۔ اس کا تصور کوئی نہیں تھا۔ مگر اسے سارے قصور ماننے تھے۔ شایان اس کی بیوی تھی۔ وہاں سے نکلا تو سخت مشتعل اور متغیر تھا۔ سیدھا ادھر پہنچا۔ اور چوکیدار کے بتانے پر کمر باندھ کر اندر میں بڑھتا چلا گیا۔ وہ اپنے بیٹروں میں تھی۔

شایان اس کی دہان پر بے ساختہ مکمل میں دیکھی دہلی کر اٹھی تھی۔ زرد چہرہ اتاری ہوئی رنگت، کمزور لاغر وجود، اک نگاہ میں دیکھا۔ چاند چہرے کا سن ماندا تھا۔ اک نگاہ شایان نے ڈالی مگر اسے منقطع پر دانہ تھی۔

”تم ایک بد زبان، حاسد، منافق لڑکی ہو۔ مجھے خود پر افسوس اور ندامت ہے کہ میں نے تمہارا انتخاب کیا۔ تم میرے لیے سزا ہو، محبت نہیں۔ اپنے پیاروں کا دل دکھانے کی سزا مجھے ملنی چاہیے۔“ عباد کے لہجے کی بھکاری منشی شایان ساکت تھی۔ شعلے اگلی نگاہیں اس پر مرکوز تھیں۔

تمہارے لیے! کیوں کیا دیا ہے تم نے مجھے۔ جو میں مریا ہوں کو دکھ دوں کیوں! جن کے اندر خود اچھائی نہ ہو دوسروں کو کیا جانیں گے ان کی اچھائی کو کیا پچھائیں گے۔ اچھا ہوا تم ماں نہیں بنی ہو تمہاری اولاد تمہاری طرح غافل رہتی۔ جو اچھی بیوی نہیں بن سکی وہ اچھی ماں کیسے بنے گی۔ تمہارے بیٹی امیر زادیوں۔ وقت گزارنے کے لیے ہوتی ہیں میں اسحق اعظم تھا جو تم سے شادی کر بیٹھا مگر ابھی وقت میری دسترس میں ہے اور میں فیصلہ کر چکا ہوں تمہیں چھوڑنے کا۔“ متغیرانہ اندازِ حقارت کی نگاہ۔ رسوائیاں، بدنامیاں دھول اڑا رہی تھیں۔ محبت رخت سبز باندھ چکی تھی۔

”لغت ہے میری زندگی پر۔“ عباد پلٹا۔ عباد واپس جا رہا تھا۔

”لغت ہے میری زندگی پر“ شایان ہڑبڑا کر پیچھے بھاگی۔ زرد، کمزور لاغر پیچھے بھاگنے کی خواہش نے قدموں کو کھینچ لیا۔ ”لغت ہے میری زندگی پر۔“ وہ ڈمگمگ کر کاؤچ پر گری۔ رخت سبز باندھتی بھاگی محبت کو رد کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔ اس کی محبت کا دم گھٹنے لگا۔ ہڑبڑا کر نیچے گری۔ ہندا آنکھوں کے پیچھے عباد کا دکھ سا رہا تھا۔ اس کے وجود میں محبت سلامت تھی۔ آئی سارہ بھاتی ہوئی اندر آئیں۔ تیزی سے نکلے عباد کو بھی دیکھا تھا۔ بے دم شایان زمین بوس ہو گئی۔

”شایان..... شایان..... جانو کیا ہو سچے۔ آنکھیں کھولو۔“ نیم جان مردہ سی وہ ان کے ہاتھوں میں جھول گئی۔

”عبا..... عباد..... میری..... بات.....“ وہ کہتے ہوئے ایک طرف کو لوٹھک گئی۔ اسے شدید قسم کا نروس بڑیک ڈاؤن ہوا تھا۔

دل کی بے چینی دے تالی کے باوجود عباد نے پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ دکن جاں کس حال میں ہے اور دکن جاں رہی کب تھی۔ محبت میں کب تک خوار ہوتا رہتا۔ اس کی زندگی میں ایک خاموشی اک چپ شامل ہو گئی تھی۔ اپنے معمولات میں غیر ضروری مصروفیات بھی شامل کر لی تھیں۔ گھر میں ویسے ہی حالات ہو گئے تھے، خوش باش

شہر آشوب

تمہیں کچھ یاد ہے جاناں

سفر کی شب میں جب اس پل

محبت چاند بن چکی

نگاہوں کا فسوں تھا یا

گرفت لہجوں کی تھی ہم پر

فلک سے نور سا برسا

دلوں سے اک صدا ابھری

جہی ہے میرا ”ہمراہی“!

شمیم ناز صدیقی، کراچی

چہرے، ہنسی مسکراتی بھابھیاں اور ادھر ادھر بھاگتے بچے۔ گویا جانے والی سے کوئی رابطہ ہی نہ ہو۔ کسی نے اس کے متعلق پوچھا ہی نہیں تھا پوچھا تو ان کے متعلق جاتا ہے جو باہمی رویوں، رابطوں اور ضابطوں کا خیال رکھتے ہیں۔ اک آسودگی، ذہنی سکون اور اطمینان اس کا نصیب ہی نہیں تھا زبیدہ رحمن عباد کے لیے بے حد دھکی، طول ہو رہی تھیں۔ بے شک اس نے فیصلہ اپنی پسند کیا تھا مگر وہ بالکل یہ نہیں چاہتی تھیں کہ بیٹے کا گھر اجڑے اور جو صل انہوں نے بنایا تھا عباد اس پر راضی نہیں تھا۔ رعنا بھابی تو چاہتی ہی تھیں کہ شایان کو طلاق دے عباد تو اپنی بہن کو اس کی جگہ لا کھڑا کریں۔

عباد آج کل اس معاملے سے بالکل ہی لاتعلقی ہو کر رہ رہا تھا مگر زبیدہ رحمن اور لاتعلقی نہیں رہ سکتی تھیں۔ شاید تاویث میں آخری کیل انہوں نے ہی ٹھوکی تھی پھر گاڑی چل پڑی یا پھر ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتی۔ وقت کے ساحل پر ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتی۔



شایان بہت انفراد کمزور ہو گئی تھی۔ ایک دم سے

اس میں بہت تبدیلیاں آئی تھیں۔ ساری ماڈرن سہیلیاں، کلب، پارٹیز، پبلک سب ختم ہو گئی تھیں۔ چپ، گم، صم، مولو سی پیڑھیوں پر بیٹھ جاتی اور آنے والے راستے پر نگاہ جم جاتی۔ شدت سے اک کی، کوتاہی، غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ وجود جیسے بالکل خالی ہو گیا تھا۔ کئی بری لڑکی ہے وہ۔

”لغت ہے میری زندگی پر.....“ گھنٹوں پر سر رکھ کر آنکھوں کی نم لٹ کو چھپا لیتی۔

”لغت ہے تم پر.....“ عباد کے لفظوں کی گونج اسے چابک کی طرح لگتی۔ اپنی غلطیوں، کوتاہیوں کا احساس شدت سے ہونے لگا تھا۔ برائی کی راہ پر وہ کیسے چل پڑی تھی کسی نے روکا ہی نہیں مگر روکتا بھی کون..... کون تھا اس کا گھنٹوں پر سر رکھ دھو چے جانی۔

”اما، جنہوں نے میرے پیدا ہونے کے بعد ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔“

”ابو.....“ اک سسکی سی وجود میں اتر گئی۔ ”انہوں نے صرف اپنے لیے سوچا۔ میرے پاس وہ رہے نہیں کبھی“

مجھے اچھے برے کے متعلق نہیں بتایا۔ میں تو زندگی کو اپنے متعین کردہ راستوں پر چلا رہی تھی۔ میری قسمت بری تھی جو مجھے برے دوست ملے۔ بری صحبت ملی اور میں اس کو اچھا سمجھ کر چلتی رہی۔ رویے، رابطوں، مضامطوں میں توازن کیا جاتا ہے مجھے نہیں معلوم؟ اچھی لڑکی کے اوصاف کیا ہوتے ہیں میں یہ بھی نہیں جانتی؟ ایک اچھا گھر کیسے تعمیر ہوتا ہے میں..... میں..... ”وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”میں واقعی بہت بری ہوں۔ عباد..... عباد مجھے معاف کر دو۔ میں اچھی لڑکی بن جاؤں گی۔ مجھے چھوڑنا مت۔ پلیز مجھے طلاق مت دینا“ مجھے معاف کر دو۔“ اس نے بند ہوتی آنکھوں کے سامنے یوں ہاتھ جوڑے گویا عباد سامنے کھڑا ہو۔

”شایان..... شایان..... نون ہے۔“ پیچھے سے آنے لگا۔

”کہہ دیں ان سے شایان مرگئی ہے۔“ وہ جھپکے سے مڑی۔ ”اور کہہ دیں انہیں آئندہ یہاں نون مت

کریں۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”شایان..... کیا ہوا بیٹا؟“ دھڑکتے سے آگے بڑھی۔

”کچھ نہیں ہوا مجھے۔“ شایان نے ہاتھ جھپکے۔ ”جائیں یہاں سے میں بری ہوں بہت بری ہوں۔ لعنت ہے مجھ پر۔“ ہاتھوں پر چہرہ گر لیا۔ آنی نے اسے دکھ سے دیکھا۔

”میں احمد صاحب کو فون کرتی ہوں کہ وہ آ جائیں بی بی کی طبیعت خراب ہے۔ ہر وقت روتی رہتی ہیں۔ عباد صاحب بھی انہیں یہاں پھونڈ گئے ہیں۔ کوئی رابطہ نہیں کرتے، کتنے ہفتے ہو گئے ہیں۔“

”شایان.....“ آنی سارہ آگے بڑھیں اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ ”شام ڈھل رہی ہے بیٹا۔ اس سے دونوں وقت ملتے ہیں ایسے کیوں رو رہی ہو کیا ہوا ہے۔ مجھے بتاؤ بیٹا، میں تمہاری کچھ نہیں لگتی۔“ اپنے آنچل سے آنسو صاف کیے۔ ”بولو بیٹا!“ متورم چہرے کو دیکھا۔

”کچھ نہیں آنی۔“ شایان دھیرے سے کھڑی ہو گئی۔

شام کا ملگیا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ اس کے بعد رات کی سیاہی ہر سو تن جانی۔ رات..... کالی رات، گناہ اور ثواب کی رات، شر انگیزی اور برہیز گاری کے تعین کی رات۔ وقفے وقفے سے آنسو گر رہے تھے۔ تعلیم، تربیت، اخلاقیات کا توازن انسان کو کیا بنا دیتا ہے اور عدم توازن۔ اس نے منہ سے نکلتی سسکی دہائی۔ آنکھوں سے سوتے پھوٹ نکلے۔ وہ اندر بھاگی۔ دیوار سے ٹکرائی لڑکھرائی۔ سنبھلی اور اندر بڑھ گئی۔

”شایان..... شایان.....“ آنی پیچھے بھاگیں۔

”جانے کیا ہو گیا ہے رونی ہے تو رونی چلی جاتی ہے دن دیکھتی ہے نہ وقت.....“

☆☆☆

”عباد فارغ ہو تو میری بات سننا۔“ زبیدہ بیگم عشا کی نماز کے بعد بیچ پڑھتے ہوئے رخ پھیرا تو عباد گزرتے دیکھا۔

”جی.....“ وہ گزر گیا تاہم چند لمحوں بعد کافی کچل لے کر آ گیا۔

”جی.....!“ وہ ان کے سامنے فلور کشن پر بیٹھ گئی۔ ہر سو اک گہری خاموشی تھی۔ زبیدہ زمین مکمل بونی کے لئے رات گئے عشا کی نماز پڑھتی تھیں۔

”اللہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ میں نے تم سے بات کرنا تھی۔“ بخور اس کی جانب دیکھتے ہوئے چند لمحوں کے بعد کہا اس نے نگے ہونٹوں سے لگا کر گھونٹ لیا۔

”تم نے اپنی زندگی کے بارے میں کیا سوچا ہے مادہ؟“ دھیرے سے کپ کے اوپر سے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ”نظر انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

”نی الحال کچھ نہیں، آفس کی جانب سے شاید میں اس چلا جاؤں وہاں ہماری فرم کی ایک شاخ بن رہی ہے۔ اچھے مختی ور کر زکی ضرورت ہے، پہلے آپ کو اس لیے نہیں بتایا کہ کام ہو یا نہ ہو میں نے اپنا پاسپورٹ انہیں دے دیا ہے۔ انشا اللہ چند ہفتوں میں، میں چلا جاؤں گا وہاں سے واپسی پر دوسری شادی کا سوچوں گا۔“ زبیدہ

جس بچا بچا انداز میں اس کا دو سالہ پروگرام سن رہی تھیں۔

”انتا بڑا فیصلہ کر کے تم اب بتا رہے ہو.....!“

”مجھے تو یقین تھا کہ یہ نہیں ہوگا اب ہو گیا تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“ مسکرایا۔

”اور شایان.....؟“ نظر اسے دیکھا۔

”جانتے ہوئے اسے طلاق دے کر جاؤں گا۔“ عباد اطمینان سے بولا۔

”عباد.....!“ انہیں شاک لگا۔ ”تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے سمجھو تم! وہ تمہاری بیوی ہے اتنے دن کی جدائی نے اسے عقل دے دی ہوگی۔“

”بے عقلوں کو بھی عقل نہیں آ سکتی، فضول ہے انتظار۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں میرے دل میں اس کے لیے گنجائش نہیں۔ آپ میرے لیے لڑکی دیکھنا شروع کر دیں، کسی کی یاد میں میرا بن باس لینے کا ارادہ نہیں ہے۔“ اس کا لہجہ جتنی اور مضبوط تھا۔

”عباد تم ایسا کچھ نہیں کرو گے، شایان سے رابطہ کرو۔“

”اُم پائل.....!“ اس نے سر جھکا۔ ”آپ کیوں مجھے میری غلطی کا احساس دلا کر شرمندہ کرتی ہیں امی، وہ اس گھر کے قابل نہیں۔“

”یہ تم نے پہلے سوچنا تھا، اب اسے اس گھر کے قابل بنانا میرا فیصلہ ہے۔ تم اسے لے کر آؤ۔“ زبیدہ بیگم نے حکم دیا۔

”نوں..... نورا!“ عباد یوں بدکا گویا بچھو دیکھ لیا ہو اور ایک دم سے کھڑا ہوا۔ ”آئندہ ہم اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔“ اسے راہ فرار اختیار کرتے دیکھ کر وہ چپ کی چپ رہ گئیں۔

چند دن سے جانے کیوں انہیں شایان کا خیال آ رہا تھا۔ دو دفعہ اسے خواب میں دیکھ چکی تھیں۔ بے برگ، بے آسراء، سرگرداں و پریشان، کا سہ دل لے، دھیرے دھیرے بیچ کے دانے گرائی وہ گہری سوچ میں گم ہونے لگیں۔

☆☆☆

شایان ٹیلی ویژن پر ڈاکومنٹری مودی بے دھیانی سے دیکھ رہی تھی، سوچیں اور خیالات منتشر ہی رہتے تھے۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ جانتی تھی ”عباد اس سے نالاں، ناراض اور خفا تھا۔ پلٹ کر گیا تو کوئی رابطہ ہی نہیں کیا۔ تو تم نے کون سا ضابطہ سنبھالے جو وہ رابطہ کرتا۔“ آنکھیں جھپکے لگیں۔ محبت تو اس نے ختم ہی کر دی ہے مگر رشتہ..... رشتہ ابھی سلامت ہے۔

”رشتے کو سلامت ہی رہنا چاہیے، میں اس رشتے کو ٹوٹنے نہیں دوں گی۔“ ایک لخت ایک بار پھر بے چینیوں اور بے تابیاں اس پر حملہ آور ہوئیں۔

”میں..... میں عباد کو فون کرتی ہوں۔“ بے ساختہ ہی فون کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ بھی بیل کی زوردار آواز سے لاؤنچ گونج اٹھا۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ ”ہیلو.....“ ہیلو شایان کیسی ہو، کدھر ہو کبھی تم نے رابطہ ہی نہیں کیا۔“ زری تھی، اس کی پیشانی تن گئی۔

”مجھے اب کسی سے رابطہ نہیں کرنا اور نہ ہی تم آئندہ مجھے فون کرنا مہرجی ہے شایان تمہارے لیے۔“ اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

”ارے بھئی! ایسا کیا ہو گیا کھیل میں تو یہ سب چلنا ہے نا، چلو غصہ تھو کواب دیکھو ہم سب تمہیں یاد کر رہے ہیں۔“

”مائی فٹ.....! میں نے کہا نا!“

”لو، شیراز سے بات کرو، ٹوٹی تمہارا پوچھ رہا ہے۔“ اس نے فون رکھ دیا۔

بے جا آزادی، اندھے اعتقاد اور ماڈرن ازم نے اسے جو نقصان پہنچایا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔ فارم ہاؤس میں گزارے ہوئے ایک دن نے اس کی زندگی کی کایا پلٹ دی۔ اس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔

”آف.....!“ اسے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔ ”لعنت ہے میری زندگی پر۔“ ہوا کے دوش پر جملہ اس کے گرد و قریب کرنے لگا۔ بے اختیار صوفے پر سٹ پر گھٹنوں کے گرد بازو پلٹ کر اس نے سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔ اس کے پایا کی عزت، اس کا تقدس، عباد کی حرمت..... کس قدر کمتر ہے اس کی ذات۔

ٹوٹی کی مکروہ ہنسی اس کے گرد قہقہے لگانے لگی۔ کالج کے بلوریں گلاس میں بھرا سرخ جام اس پر چمکا۔

”تم..... تم مسلمان ہو؟“

”ثبوت دو، اے مسلمان ہونے کا؟ اگر مسلمان ہو تو اپنے گھر سے لاکھوں میل دور اس فارم ہاؤس میں کیا کر رہی ہو، غیر لڑکوں کی اس محفل میں؟“ ٹوٹی آوارگی سے اس کے بالوں کو چھو کر اس کے رخسار پر چٹکی کاٹ کر اس نے خباثت سے کہا تھا۔

”زری..... زری۔“ وہ دھشت سے چیختی تھی۔ کھلکھلاتے ہوئے وہ ڈیپ ریڈ سیلیوس شرٹ اور ٹائٹ سے ٹراؤز میں سامنے تھی۔

”کیا ہوا شینی۔“ وہ دل آویز انداز میں اس کی جانب بوجھی تھی۔

”یہ..... یہ اپنے کزن کو دیکھو، یہ کیا کر رہا ہے، کیا کرنے جا رہا ہے اور تم، تم کیا بنی ہوئی ہو۔ چلو، چلو واپس

چلیں۔“ یکدم سے کھڑی ہوئی اس کے حواس باختہ ہو گئے۔ وہ ماڈرن ضرورتی مگر اتنی گری ہوئی نہیں تھی جتنی وہ گریڈ پر سمجھ رہی تھیں۔ زری، غزل، ملکہ، شہر سے دور ہونے کا سانس میں آنے کا پروگرام بھی ان کا ہی تھا اور وہ دوستوں کی خوشی، قہر، اور ہینک کے نام پر خوش ہو گئی تھی۔ پاپا کے ساتھ اکثر آتی رہتی تھی۔

پورے فارم ہاؤس میں چند ملازم ہی تھے۔ ٹوٹی زری کا بوائے فرینڈ تھا، شیراز غزل کا سنگیتر تھا، ملکہ کا قریبی ابھی تک پہنچا نہیں تھا۔ ان سب نے مل کر شراب اور شباب کی محفل گرم کر رکھی تھی۔ تیز میوزک، اس میوزک پر زری اور غزل کا گانا چلتا تھا..... وہ بھی جاگے بگا ہے اس کا ساتھ دے رہی تھی مگر اندر سے یکدم ہی اسے یہ سب سہرا نہیں لگ رہا تھا۔ کچھ بے چینی سے، کچھ عجیب سائل ہو رہا تھا۔

”آؤ نا۔“ ٹوٹی نے یکدم ہی اسے سمجھ کر اپنے مقابل کھڑا کیا تھا۔ ہم قدم، ہم نفس۔

”پلیز.....“ اپنی کمر کے گرد لپٹے ہاتھ کو پیچھے کر تھا۔

”یہ لو۔“ گلاس میں موجود سیال سی شے اس کے ہونٹوں سے لگادی ”زندگی انجوائے کرنے کا نام ہے ہی۔“ مکروہ ہنسی اس کے بے حد قریب تھی۔

”آخ تھو.....“ اس کا حلق کڑوا ہوا گیا۔

”چھوڑو مجھے۔“ شایان تڑپ کر اس کے شکم سے لٹکنے کے لیے چلی۔ ٹوٹی کی گرفت اور مضبوط ہوئی، جھکے سے سر اونچا کیا۔ خباثت اور کینٹکی جو رقص تھی اس کے چہرے پر۔

”زری، زری۔“ وہ دھشت زدہ ہرنی کے مانند بدکی تھی۔

”چھوڑو مجھے، چھوڑو!“ اس کے چہرے پر مکروہ ہنسی تھی۔

”چھوڑنے کے لیے تو اتنا سہلے نہیں کیا میری جان۔“ وہ اس پر حاوی ہونے لگا۔

”زری، زری۔“ تیز میوزک، وہ دونوں جاں کہاں تھیں اور ٹوٹی اس پر بھٹکا جا رہا تھا۔ پوری حالت

مکروہ اس کے بازو پر کاٹ کر اس کی گرفت سے لگی۔

”زری، ملکہ۔“ میوزک بند کر کے وہ چیختی۔

”کیا ہوا، کیا ہوا۔“ وہ ہانگی چلا آئیں۔

”یہ..... یہ تمہارا..... کزن، شینی!“ وہ حواس باختہ ہوئی۔

”ہا..... ہا..... ہا۔“ ٹوٹی اس کے قریب آیا۔

”کیا..... کیا ہے میں نے اور کیا کرنا چاہتا تھا۔“ اس کے رخسار پر چٹکی کالی۔

”ٹوٹی کو تمہاری بہنیں پسند ہے شینی، دے دو ذرا۔“ زری نے آنکھ دبا کر اسے دیکھا، وہ بدگ کر پیچھے ہوئی۔

”کیا..... کیا، کیا بکواس ہے یہ۔ چلو واپس چلو۔“ اس پر دیوانچی طاری ہونے لگی۔

”شینی، شینی کیا ہوا ہے تمہیں، یہ سب تو عام سی بات ہے، آپس کے تعلقات میں ہوتا ہی ہے شایان یہ کیا ہوا اگر ٹوٹی نے.....“

”بند کر داپنی بکواس!“ وہ دھاڑی۔

”تم بھی تو عباد سے طلاق لے رہی ہو، بہت اچھا ہے ٹوٹی۔“

”زری! کیا خرافات ہے یہ، کیا بکواس ہے، ہم یہاں پکنک منانے آئے تھے، گندہ غلاطت کے لیے نہیں۔ میں شادی شدہ ہوں، مسلمان ہوں، کس نے کہا ہے تم سے کہ میں طلاق لے رہی ہوں۔“ وہ پھٹ پڑی تھی۔

”اچھا.....“ زری کی ہنسی نے اسے دم بخود کر دیا۔

”تم مسلمان ہو؟“ ٹوٹی نے اسے پھجوا۔

”یہ لباس، یہ حرکتیں، کلی آزادی..... ثبوت دو مسلمان ہونے کا۔“ ٹوٹی نے طنز سے اس کے دجود پر نگاہ کی۔ وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے صوفے پر گر گئی۔

”زری.....“ وہ زور سے چیختی۔

”پلیز ٹوٹی، ہنومت ڈراؤ اسے، یہ کسی اور نیچر کی ہے۔“ زری نے لاڈ سے اسے سمجھ کر اپنے پیچھے کیا تھا اور شایان کے تن من میں تھے ننھے کیڑے رہنے لگے، اس کا ذہن شاک میں تھا۔

”وہ مسلمان ہے تو..... یہ.....“ اپنے لباس کی

جانب نگاہ کی جسم کے تمام خطوط کو نمایاں کرتا فننگ لباس..... دوپٹا..... ”وہ مسلمان تھی۔ اگر بھی تو اس کی جیا، اس کا تقدس، اس کی حرمت کہاں تھی۔ جس کی بیوی تھی اس کے پاس کیوں نہیں تھی۔ جس کی بیٹی تھی اس کی عزت کیوں نہیں تھی۔“

”شایان، مائٹ مت کرنا ٹوٹی کی عادت ہے یونہی دوسروں کو خوفزدہ کر کے مذاق کرنے کی۔ بی ایڈی، چلو انجوائے کریں۔“ زری نے باہر جاتے ٹوٹی اور ملکہ کو ملامت سے دیکھا۔

”زری.....!“ وہ سخت خوفزدہ تھی۔ ”چلو واپس.....“

”ارے اتنی جلدی، ابھی تو دوپہر ہے، شام ڈھلے نکلیں گے، تم ڈر گئیں۔“

”نہیں.....“ وہ کھڑی ہوئی، اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔

آگہی کا اک لمحہ..... ایقان کا اک پل انسان کو بدلنے کے لیے کافی ہے اور وہ اک پل میں بدل گئی تھی، سر تاپا۔ اسے عباد یاد آ رہا تھا، اس نے کیا، کیا اس کے ساتھ، وہ ناراض ہے اسے منالے گی، مسلمان ہونے کا ثبوت دے گی۔ ٹون اک بار پھر بجے۔ سوچوں کے سمندر سے تڑپ کر سر اٹھایا۔

”ہیلو!“

”ہیلو..... شایان میں زری، کیا ہوا، ٹون کیوں رکھا بھی، غصہ تھو کواور ناراضی ختم کر دو۔ ہم سب تمہاری طرف آرہے ہیں، ٹوٹی شرمندہ ہے۔“ اس نے فون رکھ دیا۔

لائن کاٹ دی۔ بیرونی دنیا سے اس کا رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ صوفے کی پشت سے سر نکال دیا، کتنے آنسو رخسار پر بہہ نکلے۔ تنہائی، اکیلا پن اور اداسی ایک ساتھ اس کے قریب آ گئے۔

☆☆☆

”بیٹا بولا کر شایان، کتنے دن ہو گئے تم گھر سے باہر نہیں گئیں، اپنی سہیلیوں کو گھر بلا لو۔ یوں زندگی کیسے گزرے گی، عباد کو ٹون کر دو، جو ناراضی ہے اسے دور کر دو، بیٹا شوہر ہے تمہارا، میاں بیوی کا رشتہ بیک وقت نازک

بھی ہوتا ہے اور مضبوط بھی۔ ناراضیاں تو ہر شے میں ہوتی ہیں، اسے ٹون کرو، آجائے گا۔“ آئی سارہ اس کے سر میں دھیرے دھیرے انگلیاں پیچھ رہی تھیں، ساتھ ساتھ اسے سمجھاتیں، ایک دم سے وہ بدلتی تھی، ان کا چونکنا کا بھی لازمی تھا، وہ آنکھیں موند لیتی تھی۔

”تمہارے بابا کا ٹون آیا تھا، اگلے ماہ آ رہے ہیں یہاں بچوں کے ساتھ ان کا ارادہ اب ادھر ہی رہنے کا ہے۔ تمہارا پوچھ رہے تھے، میں نے کہا تھا ادھر ہی ہے، عباد کسی کام سے شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔“ آئی سارہ مسلسل بول رہی تھیں، اطلاعات بہم پہنچا رہی تھیں۔ وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھی، پھر سے بال شانوں کے گرد پھیل گئے۔

”نہ کچھ کھاتی ہو نہ بولتی ہو، کیا ہوا ہے تمہیں، مجھے بتاؤ میں ہوں نہ تمہارے ساتھ۔“ ایک دم سے انہیں شایان سے ہمدردی ہونے لگی۔

”آئی.....“ گھٹنوں پر چہرہ نکلیا۔

”بولو بیٹا! انہوں نے پیار سے چکارا۔“
”اچھی لڑکی کون ہوتی ہے؟“ آنکھوں کی سطح ہلکی ہلکی بلکہ اب ہلکی ہی رہتی تھی، عظیم نقصان..... کچھ کھونے کا احساس ارد گرد رہتا تھا۔

”شایان..... شایان اچھی لڑکی ہے، اتنی پیاری شکل کی۔“ اس کا چہرہ تھا۔

”نہیں آئی، اچھی لڑکی!“ وہ اپنا مطلب سمجھنا پائی۔

”کہا تم..... تم..... تم سے اچھا، پیارا، نیک کوئی ہو سکتا ہے۔“ وہ اس کا مانند جان نہیں پائی تھیں۔

”نیک.....“ وہ چونگی۔ ”نیک لڑکی کون ہوتی ہے؟“

”یہ کیا تم بہکی، بہکی باتیں کر رہی ہو بیٹا، خود کو سنبھالو، لاؤ میں ٹون کروں عباد کو..... تمہیں آکر لے جائے، جو ناراضی ہے دور کر دو تم لوگ، لڑکیاں اپنے گھر میں اچھی لگتی ہیں۔“ محبت سے ہاتھ تھام کر پیار سے رخسار چھوا۔

”عباد نے ایسا کہا کہ اب دیا جو تم نے اتنا اثر..... لے لیا، جانتی ہو پورے دس دن اسپتال میں رہ کر آئی ہو، شکل دیکھو کیا ہو گئی ہے، ہر وقت کم صدمہ رہتی ہو، اسے بلو اوں

میں.....؟“

”وہ نہیں آئیں گے۔“ پاؤں کی انگلی زور سے مسل۔

”کیوں.....“ آئی سارہ نے جیکھے ابرو سے دیکھا۔

”میں اچھی لڑکی نہیں ہوں نا؟ آنکھوں سے گریاں تک آنسوؤں سے مالا پرولی۔

”ہائیں، یہ تم سے عباد نے کہا.....؟“

”نہیں۔“ وہ سسکی، دکھ چھپایا، پردہ رکھ لیا۔“ مجھے معلوم ہے، اچھی لڑکیاں گھر برپا نہیں کرتیں، زبان درازی، چرب زبانی نہیں کرتیں، دلوں کو نہیں توڑتیں، شر نہیں پھیلاتیں۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ”جھوٹ نہیں بولتیں، فتنہ فساد کی جڑ نہیں بولتیں، کینہ پرور، حاسد اور منافق نہیں ہوتیں، جھگڑاؤ اور غیبت زدہ نہیں ہوتیں اور میں..... وہ بھل بھل رو رہی تھی۔ وہ بولتی چلی گئی، غبار نکلتا چلا گیا۔ سسکیاں آئیں، آنسو ساتھ ساتھ گرجا احساس تھے۔

”میں بری ہوں، بہت بری، بہت بری..... عباد مجھ سے نفرت کرتے ہیں، نفرت، شدید نفرت۔“ وہ ہلکے ہلکے بلک کر رو رہی تھی۔ اس کا دل پھٹ رہا تھا اور آئی سارہ کم صدمہ، چپ اس کی شکل دیکھے جا رہی تھیں۔

”میں مسلمان ہوں نہ ہندو، نہ اندریز۔“ بے ساختہ وہ آگے بڑھیں اور اسے اپنے سینے سے لگالیا۔ وہ بھی بچی کی طرح ان کے وجود میں مٹ کر سسکیاں لینے لگی۔

☆☆☆

کتنا بھر پورا اور مکمل منظر تھا۔ کھانے کی ٹیبل جی ہوئی تھی، بڑی بھابی اویس بھابی کو کھانا دے کر بچوں کو سرد کر رہی تھیں۔ راحمہ بھابی ٹونین کے منہ میں لقمہ ڈال کر دوسرے ہاتھ سے ٹیبل کو پانی دے رہی تھیں، نندا اور فیدہ کسی بات پر مسکرا رہے تھے، رعنا بھابی ڈتے ڈاری سے بھی ساس اور بھی سر کو کبھی پوچھ رہی تھیں۔

عباد کے دل میں ہوک سی تھی۔ کتنی بات مکمل اور تشنگی اس کی ذات، کیا نہیں دیا شایان کو مگر اس نے بھی اتنا گھر کا مکمل نہیں دیا، کبھی چائے نہیں پکرائی، کبھی..... ”عباد ایسے ہی بیٹھے ہوئے ہو تم کیا لو گے؟“ رعنا

بھابی اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

”یہ کباب اور پلاؤ ڈال دیں۔“ اس نے اپنی خالی پلیٹ ان کی جانب پڑھائی۔ ”زہیدہ رحمن گاہے گاہے اس کا جائزہ لے رہی تھیں، توجہ کے تمام راستوں پر وہی تھا۔ اس کا اکیلا پن، خالی انداز، آنکھوں میں چھپی محرومی اور..... حساسیت، کچھ بھی تو ان سے چھپا ہوا نہیں تھا۔

”زندگی ایسے کیسے گزرے گی، اب کوئی تھی فیصلہ ہونا چاہیے۔“ اس اٹھا کر انہوں نے عباد کو دیکھا جو بسور تے ہوئے بیٹھے کو گود میں اٹھائے ہوئے اسے چکار رہا تھا، بہلا پھلا رہا تھا، آسکریم کھلانے کا لالچ دے کر نوالے منہ میں ڈالنے لگا اور وہ بھی چاچو کی گود میں، ذرا ذرا کھانے لگا۔ کھانے پر سے عباد کی توجہ ہٹ گئی، اس کی پلیٹ جوں کی توں رکھی رہ گئی، کچھ دیر بعد وہ اٹھ گیا۔ اداسی زہیدہ رحمن کے اندر تک بھر گئی۔ ان کے سارے بچوں کی سی..... پھر پورا ورلڈ زندگی جی اور وہ..... کمرے میں آکر انہوں نے رحمن صاحب کو دیکھا۔

”آپ نے عباد کو دیکھا، اسے سمجھایا نہیں کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟“

”جی زندگی اس کی ہے وہ بہتر فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔“

”کیسا فیصلہ اس نے کیا ہے؟ کیا..... ادا اس ہے وہ، کچھ سوچیں اس کے لیے۔“

”کیا.....؟“ اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ کر انہوں نے زہیدہ کو دیکھا۔

”اسے سمجھائیں، بیوی کو لے کر آئے۔“ زہیدہ ٹیم نے نگاہ چرائی۔

”اب اگر وہ لانا نہ چاہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔“ اس وقت رعنا قبوہ لے کر آئیں، انہوں نے گفتگو کا آخری جملہ لیا۔

”میرا خیال ہے امی اس کی شادی کر دینی چاہیے دوسری۔“

”ہیں.....“ زہیدہ رحمن تو اچھل پڑیں ”دامغ ٹھیک ہے تمہارا!“

”جب امی عباد رکھنا ہی نہیں چاہتا اور نہ وہ بسنا

چاہتی ہے تو اس کا صلہ تو یہی ہے نا!“

”بات تو تمہاری ٹھیک ہے بڑی ہو مگر اس بارے میں بھی فیصلہ عباد ہی کرے گا۔“

”ضروری نہیں کہ فیصلہ دوسری شادی کا ہی ہو، دونوں کو بٹھا کر سمجھایا جاسکتا ہے، ہو سکتا ہے کہ شایان کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہو۔“

”ہونہہ.....“ طنز سے سر جھٹکا۔ ”ویسے امی عباد کا فیصلہ سراسر غلط اور جذباتی تھا کیا ملا اسے اس شادی سے، گھر کا ماحول الگ خراب ہوا اور آپ نے اگر اسے لانا ہے تو کم سے کم میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی۔“ رعنا نے اپنا مطلب نکالنا تھا، ایسا سراسر اپنی اتانا دچی ہی رکھتی تھی۔ زہیدہ انہیں دیکھ کر تھیں۔ اک اور ذرا بہ۔

”دیکھو بیٹا! ہمارے خاندان میں کبھی کسی کی طلاق نہیں ہوئی اور نہ دوسری شادی ہوئی ہے اور نہ میں چاہتی ہوں کہ یہ برا کام میرے گھر میں ہو، انہما سے اس مسئلے کو سمجھا لیتا ہی بہتر ہے، طلاق خدا کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ عمل ہے۔“

”اور عباد..... عباد کیا چاہتا ہے؟“ اک بار پھر عباد رعنا کو اپنے ہاتھ سے ٹکٹا ہوا محسوس ہوا۔

”اسے بلاؤ! ابھی پوچھ لیتے ہیں۔“ رحمن صاحب بھی اس مسئلے کو سمجھا لینا چاہتے تھے اور انھوں کو سمجھنا ہی چاہیے۔

”ابھی یا ہر لگا ہے۔“ رعنا ٹیم کے دل کو بے چینی لگ گئی۔ پہلے وہ عباد سے بات کر لیں اس کے بعد امی ابو کو کرنی چاہیے۔ اس رشتے کو ختم ہو جانا چاہیے۔ تنفر سے شایان کے بارے میں سوچا۔

”شایان کے اندر تو صلاحیت ہی نہیں ہے گھر بسانے اور شوہر کو سنبھالنے کی، وہ تو کسی اور نسل کی لڑکی ہے۔ شر انگیز اور جھگڑا لو۔ گھر میں اسے کوئی پسند نہیں کرتا، اس کے آنے سے اور بھی فتنے پیدا ہوں گے۔“ رعنا کا دوت بھر پور مخالفت لیے ہوئے تھا۔

”اور امی اسے گھرانے کا متعقد ان تمام جھگڑوں کو پھر سے اٹھاتا ہے جو اس کی غیر موجودگی میں ہو چکے ہیں۔ الگ گھر عباد نہیں لے گا، بل کر بیٹھنے کی صلاحیت اس لڑکی

میں نہیں اور آپ چاہ رہی ہیں کہ یہ نیکل منڈھے چڑھے۔ ”رعنا بیگم نے خالی کپڑے میں ریگھے۔ بڑی بہو کے ناتے زبیدہ رحمن ان سے مشورے کرتی تھیں، آج وہ مشورہ دے رہی تھیں اور خوب دے رہی تھیں، بھرپور مخالفت کے ساتھ۔ کینہ پروری ان کے اندر بھی پیدا ہوئی تھی۔ کیا ہے اگر ذرا سی کوشش سے ان کی بہن کا نصیب کھل جائے۔ شادی شدہ ہے تو کیا ہوا..... کون سا بچہ ہیں عباد کے۔ دزدیدہ نگاہ ساس پر ڈالی۔ رحمن صاحب اپنی رانگ چیز پر بیٹھے دھیرے دھیرے ہلے گہری سوچ میں تھے۔

زبیدہ رحمن پاندان کھول رہی تھیں، فکر کے پردا کر کے رعنا نے ان کی جانب فکر کے پرندے رواں کر دیئے تھے۔

”سوچ کچھ کر فیصلہ کیجیے گا امی ابو۔“ وہ ٹرے لے کر کھڑی ہو گئیں۔ ”ہمارے گھر کا ماحول اور اس کے انداز سب آپ کے سامنے ہیں، عباد نے تو غلطی کی سوکی، ہمیں کوئی اور غلطی نہیں کرنی چاہیے۔“ اک نگاہ ان پر ڈال کر وہ باہر نکل گئیں۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم ایک دوسرے کی جانب دیکھنے سے گریزاں تھے۔

☆☆☆

عباد سے بات کرنے کے لیے رات گئے تک رعنا لاؤنج میں بیٹھیں، ساڑھے بارہ بجے وہ آیا۔

”ارے آپ جاگ رہی ہیں؟“ عباد حیران ہوا۔ ”ہاں تم سے بات کرنے کا موقع نہیں ملتا، صبح آفس شام میں غائب۔“

”ایک کون سی بات ہے جو بہت ضروری ہے۔“ ہلکے پھلکے سے انداز میں کہتا وہ صوفے پر بیٹھا۔ نیکی دین آن کیا اور بری موٹ ہاتھ میں تھام لیا۔

”امی تمہاری بیوی کو گھر لانا چاہ رہی ہیں۔“ واشگاف انداز میں اس کے تاثرات جاننے کے لیے جملہ پھینکا۔

”کیوں.....“

”یہ تم امی سے پوچھو“ رعنا بیگم نے جواب دیا۔ ”میں امی کو منع کر چکا ہوں کہ وہ اس گھر میں نہیں

آئے گی پھر کیوں.....“

”یہ بات میں امی کو سمجھا رہی ہوں مگر وہ بغیر ہوں خود ہی جلد کوئی فیصلہ کر لو۔ ویسے بھی وہ اس قابل نہیں کہ یہاں آئے۔“ عباد کے جواب اور مشتعل انداز نے انہیں بہت سکون دیا۔

”وہ میری زندگی سے نکل گئی ہے بس واجبی ساقط ہے وہ کسی بھی لمحے ٹوٹ جائے گا۔“ وہ ریوٹ سے چینل سرچنگ کرنے لگا، اس کے چہرے پر تناؤ تھا۔ رعنا کا دل بلیوں اچھلنے لگا، میں چاہی مراد پوری ہوئے گی عباد کو کسی میں کرنا چاہیے۔

”تو ذرا پھر تمہیں ڈر کیا اور کتنی خاندان کی بے عزتی اور جگ ہنسائی ہو گئے۔“ ساتھ ہی جھک کر کارپٹ سے اپنی گرانی ہوئی انگوٹھی اٹھانے لگیں۔ عباد نے چونک کر انہیں دیکھا۔ ”یہ اتنا آسان تھا کیا“

”اور آئندہ سوچ کچھ کر چنا، مگر والوں کے فیصلے برے نہیں ہوتے، سوچ بچار، باہمی رضامندی پسندیدگی اور دعاؤں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ تم پہلے دھوکا کھا چکے..... ان بھی لڑکیاں محض وقت گزاری کے لیے ہوتی ہیں، باہر باہر کی دوستی کتنی چاہے محبت کرو، لوگ ڈرائیو پر جاؤ مگر شادی کے لیے خاندانی، پریمی لکھی، باشعور لڑکی کا انتخاب کرو، ایک گھر کی نہیں، اک نسل کی ذمہ داری اس پر ہوتی ہے، تمہاری وہ..... تمہاری ذمہ داری نہیں اٹھا سکی تو باقی ماندہ زندگی.....“ عباد اک ٹک ان کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اور رعنا گلوں پر خوب چوٹ لگا رہی تھیں۔

”بچ جتاؤ اس نے کبھی نہیں کھانے کا پوچھا، صبح کبھی ناشتا دیا، بھی تمہیں کھانا سر دیا، نیپل پر..... وہ تو خود پرست اور خود پسند ہے، عباد مجھے تو حیرت ہوتی ہے تم نے کیا دیکھ کر پسند کیا۔“ قند نسا درو، شر پھیلو لو۔ ہونہار۔ رعنا بیگم نے سر جھکا۔

عباد کھلی آنکھوں سے آئینہ دیکھ رہا تھا۔ کہہ تو وہ سچ رہی تھیں۔ لفظ بلفظ..... کیا دیا تھا اس نے۔

”خیر عباد..... وقت ابھی بھی نہیں گزرا اور نہ تمہاری عمر گزری ہے۔ اب انتخاب میرا ہوگا“ سمجھے تم۔“ وہ کھڑی ہو گئیں۔ ”کھانا کھاؤ گے یا چائے“ وہ خیال و دھیان کے

راتوں سے گزر رہی تھیں۔

”کچھ نہیں؟“ اسکرین کی جانب رخ کیا ”رات بہت ہو گئی ہے اب سوؤں گا، صبح آفس جاتا ہے۔“ اک نگاہ عباد پر ڈال کر رعنا باہر نکل گئیں، جانے کیوں انہیں یقین تھا کہ فیصلہ ان کے حق میں ہوگا انہیں فاریہ کا مستقبل روشن نظر آ رہا تھا۔

☆☆☆

عباد ٹھہ کر اپنے کمرے میں آ گیا، سامنے ہی دیوار پر ڈرینگ ٹیبل کے برابر میں ان دونوں کے ویسے کی فل سائز شاندار سی تصویر لگی تھی جو نہ جاتے ہوئے بھی روزانہ اپنے ہونے کا احساس دلاتی تھی۔ وہ اس تصویر کے سامنے کھڑا ہو گیا، احساس محرومی سر اٹھانے لگا۔ سی گرین اور رائل بلو استراج کا عریک شرارہ میچنگ جیولری، سی گرین شہر اسٹار میک اپ، ہاتھوں میں بھر پوری چوڑیاں، جھکا جھکا شرمیلا سا انداز۔ اس کے ساتھ بیٹھا ذرا سا اس کی جانب جھکا عباد چہرے پر شوخ سی چمک، آنکھوں میں محبت کو پالنے کا غبار..... تمام تصویروں میں یہ تصویر اسے بہت اچھی لگی تھی۔ نورانی ان لارنج کروا کر یہاں لگوائی گئی۔ کیسے نرم گرم، شوخ شہر پر مجتوں بھرے دن تھے۔

”محبت.....“ اس کی آنکھوں کی سطح پر ہوئی ”محبت تو صرف مجھے تھی تم نے تو کی ہی نہیں خالم لڑکی، تم..... تم..... تو.....“ سارے منظر نظروں کے سامنے سے گزرنے لگے، اس کے وجود سے اترتے نقاب، غصیلا انداز، کینہ اور بغض۔ ”جانے تمہارے غم لانا تھا غم اور کینہ کہاں سے بھرتا کبھی مجھے نظر نہیں آیا جو میں دھوکا کھا گیا تھا دلتا اور درپے کے پردے ہٹا کر کھڑا ہوا۔ رات دھیرے دھیرے گہری ہو رہی تھی۔

”بعض اوقات محبت کے نام پر ہم کس طور لٹ جاتے ہیں، جذباتیت ہمیں کتنا نقصان پہنچا دیتی ہے۔ محبت بھی کیا چیز ہے۔ اس نے میرے کہنے پر پلٹ کر خبر ہی نہیں لی۔ نہ ادھر نوں کیا، ڈیڑھ دو ماہ کم نہیں ہوتے مہیاں بیوی کی جدائی میں۔ اسے میری پروا ہی نہیں۔ پروا ہوئی تو میل فون اس کے پاس بھی تھا۔ میں کیا کچھ نہیں کہہ آیا تھا۔ باز پرس تو کرتی۔ گویا وہ بھی ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔“

تو.....“ وہ دھیرے سے چلتا اور چند قدم چل کر بالکونی میں نکل آیا۔

”محبت کھیل تھی۔“ دونوں ہاتھ ریٹنگ پر رکھ کر باہر دیکھنے لگا۔ بہتی رات کا سکوت، خاموش ہوا، ہر سواک چاند گہرا سناٹا۔

”تو..... محبت کھیل تھی اور کھیل کا اختتام ہو ہی جاتا ہے وقت کے سمندر پر اس کھیل میں کون ہمارا.....“ صبح و شکست میں سے کس کا حصہ کس کو آیا۔ کون ہمارا..... کون چیتا۔“ اپنے ہاتھوں کو گھسنے بالوں میں میسرے ہوئے ہاتھ گردن پر رکھ لیے۔ گہرا سانس سینے کی سرحدوں سے اٹھا اور ہونٹوں پر آ کر دم توڑ گیا۔

”یعنی جو کچھ میں نے کہا اس کو سننے میں تم حق بجانب تھیں اور تمہارا فیصلہ بھی وہی ہے جو وقت کی بساط پر تقدیر مجھ سے لکھوانے چاہ رہی ہے۔“ گردن سے ہاتھ اٹھا کر پھر سے گرل پر رکھ لیے، بے چینی، اضطراب اس کے روم میں سرایت کرتا چلا گیا۔ دل شکستی، دل آزاری کی اک اور شب اس کے ہمراہ تھی۔

☆☆☆

زبیدہ رحمن اس کے کمرے میں آ گئیں۔ وہ جو کٹن میں منہ چھپائے چھٹی کے دن سونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا، آہٹ پر چونکا اور ماں کو دیکھ کر سیدھا ہو گیا۔

”سو تو نہیں رہے تھے۔“ اس کے سامنے بیٹھیں۔

”نہیں، سوچ رہا تھا باہر کا چکر لگوں، کچھ ضروری چیزیں لانی ہیں۔“ اٹھ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر اٹھے بالوں کو ہاتھ سے ستورا۔

”تمہارے جانے کا کیا ہوا؟“ عباد چونک کر ماں کو دیکھنے لگا۔

”کام ہو گیا ہے میرا، پاسپورٹ ہاتھ میں آئے تو سیٹ کنفرم ہو جائے گی، میرا خیال ہے اگلے ہفتے کی کوئی سیٹ ہوگی۔“

”کتنے عرصے کا کورس ہے؟“

”میرا خیال ہے ایک ڈیڑھ سال کا۔“

”عباد تم نے اپنی زندگی کے متعلق کیا سوچا ہے؟“ ”جو سوچنا تھا سوچ لیا، کر لیا، جھگٹ لیا اب تو بس

زندگی گزر رہی ہے، غم روزگار اور غم زندگی کے ساتھ.....
اس کا وہی سا انداز۔

”اور شایان..... اس کے متعلق کیا سوچا ہے؟“
”وہ میری زندگی کا رخ باب تھا جو میں نے کتاب
زندگی سے پھاڑ دیا ہے۔“ وہ سنجیدہ تھا ”اور بات جب
روائی، بدنامی کی ہو تو پھر ان راستوں پر نہیں جانا چاہیے،
میں پیچھو، بھائی اور ناکلہ سے شرمندہ ہوں امی، وہ اس گھر
میں نہیں رہ سکتی، جاتے جاتے میں اسے پروا نہ آزادی
تھا کہ جاؤں گا، چلکے لے آزادی کا مزہ۔“ اس کے چہرے
پر پھر پور نفرت تھی ”اور تندرہ رہنا چاہتی ہے میرے ساتھ
اس گھر میں۔“

”تو تمہیں کہا ہے تاکہ اسے الگ گھر.....“
”نہیں.....“ اس کا لہجہ ترخ گیا ”کیوں، کس
لیے، کس بات کی کمی ہے یہاں، کون زیادتی کر رہا ہے۔
کس چیز کی روک ٹوک ہے اسے قیلے کی ضرورت
ہے، آئینہ میں اسے دکھایا ہوں، خود سے یہاں آنے کی
جرات نہیں کرے گی۔“ اس کے دجود میں غصہ بھر رہا تھا۔
محبت دکھ بن جائے تو انسان ایسے ہی زور درخ ہو جاتا
ہے۔

”عباد.....“ کافی دیر اس کوں کر خاموش رہنے کے
بعد زبیدہ رخصت نے سراٹھایا ”میری ایک بات مانو گے؟“
”آپ کا حکم سر آنکھوں پر امی۔“

”اپنی بیوی کو لے آؤ۔“
”جی.....“ اس کے چودہ طبق ایک ساتھ روشن
ہوئے ”یہ آپ کہہ رہی ہیں؟“

”ہاں جب میں چاہتی نہیں تھی تو تم نے اس کے حق
میں دلائل دے کر مجھے قائل کر لیا وہ اکیلے تھا ہے، اس کی
ذات میں بے حد خامیاں ہیں، وہ دل کی بری نہیں ہے
مجھے یقین ہے آپ کو پسند آئے گی، آپ ملیں دیکھیں،
وغیرہ وغیرہ.....“

”تو میں نے غلط کہا تھا امی۔“ عباد نے شرمندگی
سے انہیں دیکھا۔

”انسان کی ذات میں خامیاں ہوں اور اسے کوئی
بتانے والا ابھی نہ ہو تو سامنے والے کی اچھائی دیکھ کر انسان

کو اپنا آپ بدل لینا چاہیے، ناپسندیدگی کے باوجود اس گھر
کے لوگوں نے اس کے ساتھ تعاون کیا، مجنی دی مگر اس
نے کیا کیا، انسان کا جیسا خیر ہوتا ہے وہ ویسی ہی حرکتیں
کرتا ہے، کتنے کی دم بھی سیدھی نہیں ہوسکتی۔“ عباد نے سر
جھکا، اس کے دلی تاثرات سن بھی رہی تھیں اور پڑھ بھی
رہی تھیں پھر نے پر۔

”میں نے ہر موڑ پر اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ
سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں۔ آپ الگ گھر کی بات کر رہی
ہیں جس سے ایک کمر، ایک ہمارا بیڈروم نہیں سنبھالا گیا
وہ ایک گھر سنبھال سکتی ہے، تقی صلاحیت ہے اس کے اندر
آپ کو تو اندازہ ہو گیا ہوگا۔ اس کے باوجود آپ کہہ رہی
ہیں کہ اسے گھر لے آؤں۔“

”ہاں، میں کہہ رہی ہوں، اسے گھر لے آؤ، اسے
کسی نے سمجھا اور نہ سمجھایا، تم نے بھی نہیں.....“
”جی.....“ عباد غائب دماغی سے انہیں دیکھنے لگا۔
”اس کی شخصیت کے شجر کو تربیت کے پانی اور
توازن کے دھیان کی ضرورت ہے عباد، وہ بری نہیں ہے
اس کے اندر کی برائیاں بری ہیں اسے پالش کی ضرورت
ہے، تم کہتے تھے نا امی اسے آپ سمجھائیں تو اب میں اسے
سمجھانا نہیں سکھانا چاہتی ہوں۔ گھر داری، اپنا پن، ذاتی ہم
آہنگی اور زندگی کو برتنے کے طور طریقے، اصول و ضوابط
اور شعار زندگی.....“

”امی.....“ عباد نے تجیر سے انہیں دیکھا۔
”اس کے باوجود کے اس نے خاندان بھر میں.....“
”ہاں اس کے باوجود، یقین کر دو میرے دل سے
نکلیں ہوئی، بھولتی نہیں، روزانہ خواب میں آتی ہے، چپا
اداس، بیمار، کمزور، میری طرف دیکھتی..... میں جانتی ہوں
اس کی تمہارے دل میں جگہ نہیں، اس کے باوجود عباد میں
اسے تمہارے ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں، ایک اچھی عورت
کے روپ میں..... میں بلکہ مجھے یقین ہے کہ میں اسے
بدل دوں گی۔“

”ام پائل وہ ایک ہندی، خود سر، تند اور شاطر لڑکی
جس کے خیر میں توازن ہے ہی نہیں اور جو اپنی مرضی سے
جینا چاہتی ہو وہ بھی نہیں بدل سکتی اور ویسے بھی وہ میرے

دل سے اتر چکی ہے اس گھر کا کوئی فرد اسے پسند نہیں کرتا تو
اس قصے کو ختم ہی ہونے دیں۔“ اس کا حتمی انداز تھا۔
”ہاں اس سب کے باوجود کہ گھر میں اس کا نام سننا
کوئی پسند نہیں کرتا اسے گھر لے آؤ، میری خاطر عباد.....“
”امی! وہ زوج ہو گیا“ دیکتی ہوئی آگ سرد پڑ رہی
ہے اسے بجھ جانے دیں، اسے تو کوئی فرق ہی نہیں پڑے
گا کیونکہ وہ چاہتی بھی نہیں ہے۔“ بیڈ سے اتر گیا۔
”بازار چلتا ہے آپ نے میں جا رہا ہوں۔“ عباد نے ہات
ختم کرنی چاہی۔

”تم نے شاید میری بات پر غور نہیں کیا۔“
”امی غور و خوض کی ضرورت ہی نہیں، اس سوراخ
میں ہاتھ ڈالنے کی کیا ضرورت ہے جہاں سے ایک دفعہ
سانپ نے ڈس لیا ہو جب میں راستہ بدل رہا ہوں تو پھر
کسی کو کیا اعتراض ہے؟“

”تم ویسے بھی باہر جا رہے ہو، کچھ عرصے کے لیے
ہی سہی۔ اسے میرے پاس چھوڑ جاؤ میری سلی کے لیے۔“
”امی.....“ وہ زوج ہونے لگا ”وہ خود آتا ہی نہ
چاہے تو۔“

”اسے جا کر لے آؤ۔“ ان کی فریال منطبق تھی۔ اس
نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ اسے امی کی ضد سمجھ میں نہیں
آ رہی تھی کہاں تو لاطعل تھیں اور اب کہاں، وہ تعلق
جوڑنے کی انتہا کر رہی تھیں۔ کیوں وہ خود بھی سمجھ نہیں پا
رہا تھا۔

”امی.....“ کھڑے ہو کر ان کی جانب رخ کیا،
اس کے عقب میں دیوار میں لگی ان کی لارج تصویر میں
شایان کا روپ نمایاں ہو رہا تھا۔

”آپ کیوں چاہ رہی ہیں کہ.....“
”عباد.....“ انہوں نے بات کاٹ دی ”تمہیں
میرے چاہنے کی پروا ہے کہ میں کیوں چاہ رہی ہوں جاؤ
جودل چاہے کرو۔“ تقی سے اسے دیکھتی ناراضی اسے اٹھ
کر چلی گئیں۔ عباد کھڑا کاکھڑا نہیں دیکھا رہ گیا۔

اس وقت وہ دو متضاد خیالات کا شکار ہونے لگا اس
کا ارادہ قطعاً بھی شایان کو گھر لانے، اسے بسانے اور اس
سے محبت کرنے کا نہیں تھا، ایک دم ہی وہ شایان سے

بدل ہو گیا تھا۔ محبت کے اظہار پر محبت نہ ملے تو محبت ختم
بھی ہو جاتی ہے، شایان نے اس سے محبت نہیں کی تھی،
شادی کی تھی، شادی تو کسی سے بھی ہوسکتی ہے، محبت
نصیب سے ہوتی ہے پھر محبت کے بغیر جی لینے کا کیا
فائدہ۔ کر لینے دو من مانی مگر..... من پر ہاتھ پھیرتے
ہوئے رخ پھیرا، سامنے ہی پری پیکر تھی۔

”تم اسے لے آؤ میری خاطر.....“ پیچھے امی کھڑی
تھیں۔

”امی جب میں ہی اسے بسانا نہیں چاہ رہا تو.....“
وہ بے اختیار پلٹا، کمر خالی تھا۔
”آف.....“ وہ دوبارہ بستر پر بیٹھ گیا۔ امی کی
ناراضی، گھر والوں کا رویہ، خاندان والوں کی ناپسندیدگی
اور اس کا دل۔ اس چپقلش میں وہ اٹھ رہا تھا۔ کیرے کیا
نہ کرے۔ اپنے آپ سے الجھاؤ ہاتھ روم میں گھس گیا۔

☆ ☆ ☆
سارا دن وہ جل جل بن پھلکی کی طرح پورے محل جیسے
گھر میں بولائی بولائی پھرتی، ایک خوف دامن گیر رہتا۔
آہٹ، ایک دھڑکا، ڈور تیل کی آواز، فون تیل، اسے
ڈرائی رہتی اب..... کہ اب عباد کی طرف سے ملا پروا نہ
آزادی آئی رجسٹری، آیا فون۔ یہ احساس ہی سو مان روح
تھا کہ عباد اسے چھوڑ سکتا ہے، روح ایک اذیت مسلسل میں
رہنے لگی تھی۔ اتنا حوصلہ ہی نہیں تھا کہ گھر فون کر لیتی کس
سے بات کرتی، امی، بھائی، نندا بھائی کون اس کا ساتھ
دیتا۔ کون عباد کو سمجھاتا۔ اس نے کسی کے ساتھ اچھا نہیں کیا
تھا سب دل سے چاہتے ہوں گے اس سے چھٹکارہ مل
جائے۔ کون تھا اس کا۔

ٹھنڈی سٹی میز جیوں پر بیٹھ کر تھیلیوں کی اوک میں
چہرہ تمام کر دوہ خالی خالی نظروں سے بھرے بھرے سر سبز
لان، انار، آم اور جامن کے درخت کو پچھلی کی باز اور نرم و
نازک سامنے کی دیوار پر چڑھتی بیلوں کو دیکھتی، دیکھتے
دیکھتے آنکھوں میں آنسو بھر جاتے۔ دوست سہیلیاں
جنہوں نے اسے نہیں کانٹیں رکھا جن کے کہنے پر اس نے
اپنی زندگی تباہ کر لی۔

”ابو.....“ دھیرے سے چہرہ گھٹنوں پر ٹکا کر انگلی

سے رخ بستہ میز بیویوں کی سطح کو چھو۔ جنہوں نے بے دریغ پیسہ دیا، کھلی آزادی دی، کہیں کوئی سر نہ چھوڑی۔ "کاش، آپ مجھے اچھے برے کی تمیز بھی سکھادیتے۔ زندگی کے اچھے برے دنوں کی سہمی آنی سارہ کو آگے بھاگنے، کچھ جاننے کے چکر میں بھی اہمیت ہی نہیں دی۔ عباد جس نے ٹوٹ کر محبت کی ادھیر لپٹے ہوئے تھی، اسے دُورِ خزانہ ہی نہیں جانتی تھی۔ مجھے محبت کرنا ہی نہیں آئی۔ نہیں! آنکھ سے بہتے آنسوؤں کو محسوس کر کے انہیں پہنچے دیا۔ اسے تو کسی سے محبت ہی نہیں تھی، محبت تو انسان کو کیا بنا دیتی ہے اور اب جب محبت نے اس کے وجود میں قیام کر لیا تو وہ اسے چھوڑ کر جا رہا تھا۔

"نہیں! میں نے بے چینی کے بھنور اٹھے۔ وہ بے ساختہ اٹھی اور لان میں اتر گئی آنسو کی دھند نے ہر چیز دھندلا دی۔ اوائلِ محبت کی بے چینی اس کے روم روم میں سرایت کر گئی۔

"عباد! نہیں عباد! نہیں، مجھے چھوڑنا مت۔ مجھے..... مجھے....."

دھلتے دن کے اس پار وہ اکیلی تھی، سر سبز گھاس پر بیٹھی بے حال، مجروح دل لیے بھل بھل رہی تھی۔ کاسٹ دل میں محبت نہ ہو کھودینے کا احساس ہو، احساسِ زیاں ہو تو یوں اس طرح ہی ہوتا ہے۔ آنٹی سارہ نے یوں بے گل و بے قرار دیکھا تو اس کے فریب جا کر اسے اٹھایا، سنبھالا، اپنے ساتھ لگایا۔ دیکھ دل پر کئی وفتی کے پھا پے رکھے۔

"میں تمہاری ماں نہیں ہوں، تمہاری ماں جیسی تو ہوں نا، بچپن سے تمہارے ساتھ ہوں تم نے بھی مجھے سمجھا ہی نہیں، بتاؤ مجھے کیوں روتی ہو، کیا ہوا ہے.....؟"

"آئی..... آئی۔" شایان ان سے لپٹ گئی۔

"میں بہت بری ہوں، بہت بری۔" وہ چیخ چیخ کر رونے لگی۔ "مجھے اچھی لڑکی بنا دیں، بہت اچھی..... جو عباد کے دل کو اچھی لگے جو عباد کی محبت پھر سے حاصل کر لے، عباد اپنا فیصلہ بدل لے۔"

"ہیں..... کیا فیصلہ؟ اس کو سامنے کیا۔"

"عباد مجھے طلاق دے رہے ہیں۔" بمشکل کہا۔

"کیا! وہ تو ہکا بکا کر رہا ہے۔" کیوں.....؟

"میں بری ہوں، بہت بری، گندی، آزاد خیال، بدتمیز، جاہل، مجھے..... مجھے....." وہ کہتے کہتے دونوں ہاتھ منہ پر رکھے۔ ایک بار پھر سسک اٹھی "میرا اخلاق، میرے اعمال۔"

"خود کو سنبھالو شایان! ایسا کچھ نہیں ہوگا میں بات کرتی ہوں عباد سے۔ اس کے گھر والوں سے تم خود کو سنبھالو۔" آنٹی سارہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"اس کے گھر والے....." شایان نے چہرہ اٹھایا "میں نے تو اس کے گھر والوں سے بہت برا سلوک کیا، کسی کی عزت نہیں کی، کسی کو کچھ سمجھا نہیں، کسی کا ادب احترام نہیں کیا، دوسروں کے دل پر برے کیے۔" آنٹی سارہ چپ اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

"تم نے کیوں کیا ایسا؟"

"وہ وہ زری، غزل میری فریڈ زکیتی تھیں جہاں سسرال میں بہت زیادہ افراد ہیں، ہر وقت ان کی خدمت کرنی رہو گی۔ تم میرا بپ کی اولاد، کیا غلامی کرو گی۔" چچر ٹائیٹ کو ایک گہرا سانس لے کر حواس کو کنٹرول میں کیا، دوڑا تو بیٹھی آنسو کرتے آج اس نے سب کچھ کھہر دیا۔ سارہ تاسف، ملال دکھ اور ہمدردی سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"جو لوگ دوسروں کے کہے میں چلتے ہیں، دوسروں کے دماغ سے سوچتے ہیں وہ لوگ یونکی اپنا گھر تباہ کر لیتے ہیں، مجھے تمہاری وہ دوستیں بھی اچھی نہیں لگیں۔" انہوں نے دھیرے سے اسے اٹھایا اور اپنے ساتھ لاؤنج میں لے آئیں، اس کے آنسو ختم ہو گئے تھے، سسکیاں جاری تھیں، پانی پلایا بالوں کو سنوئرا، برے دوستوں کی محبت انسان کو برباد دیتی ہے۔

"تم نے اتنا بھی نہیں سوچا پیچے کہ تم بچپن سے اکیلی اور تنہا ہو، اس گھر کے در دیوار میں کتنا سناٹا ہے، باپ کو پیسے بھیجنے سے غرض ہے، ماں تمہاری بچپن میں مر گئی، رشتے دار جو ہیں وہ دوسرے شہروں میں۔ نہیں تو رشتے محبت کے غیر میں گندھ کر ملے تھے۔" شایان چونک کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"ماں، محبت کرنے والا، پیار کرنے والا شوہر، بہن

بھائیوں کی رفاقت، مجھے تو کبھی ان میں عیب نظر نہیں آیا، محبت، احترام، تم نے یہ کیا کیا۔" خٹکی سے اسے دیکھا "ماہل لڑکی۔" شایان نے سر ہکا لیا۔ آنسو پھر سے آنکھوں میں بھرنے لگے۔

"تم کسی تعلیم یافتہ نہیں، پھر انہیں خیال آیا۔ تعلیم کے ساتھ شخصیت کی تعمیر میں تربیت کا پانی نہ ہو تو شخصیت نکھر کر رہے اور نہ سنو رہی ہے اس کی تربیت کون کرتا، انہیں تو کبھی ماں سمجھائی نہیں تھا۔

"تم خود کو سنبھالو بیٹا، رو رو کر ہلکان مت ہو، میں عباد کی والدہ سے بات کرتی ہوں، بچوں سے غلطیاں ہوتی ہی ہیں، ایک موقع سنہلنے کا ضرور ملنا چاہیے بچوں کو۔" محبت سے اسے ساتھ لگایا، ذرا سا اطمینان اس کے قلب میں پھیلا۔

"اگر انہوں نے کوئی بات نہ سنی تو.....؟ بے چینی پاؤں سپارے تھی۔

"بات جب بڑوں کے درمیان ہو تو ضرور سنی جاتی ہے۔" دھیرے سے اسے تھپکا۔

☆☆☆

عباد اپنے ابو رحمن صاحب کے آفس میں، ان کے سامنے سر جھکائے بیٹھا غفلت کو ٹول رہا تھا۔ ایک ہی سہارا تھا جس سے بات چیت یا مشورہ کر سکتا تھا، باقی تو سب اس سے شاک تھے۔ رعنا بھابی کا مشورہ چھوڑ دو۔ امی کا کہنا لے کر آؤ اسے۔ خود اس کا دل..... چھوڑ دے گا ایسی فضول سی لڑکی، فضول سی محبت کو جس میں طریقہ سلیقہ نہ ہو، واقعی شکل کی محبت جھک ہنسی میں مبتلا کرتی ہے۔ امی کا دل راضی کرنے کے لیے چھوڑ رہا تھا۔ امی پھر بھی ناراض تھیں کہ اسے لے کر آؤ اور وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ "گھر میں پھر وہی چیخاقلش، ناراضی، جھگڑے رہیں گے تو کیا فائدہ؟" بہت دیر خاموش دیکھ کر اس کے تاثرات ٹوٹ کر کے خود ہی اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

"چکر بک جا رہے ہو.....؟"

"ہفتے کو۔"

"اچھا، پھر کیا سوچا تم نے، اپنے گھر کے لیے؟" ابو

کے ہلکے چمکے لہجے پر وہ چونکا۔

"ابو....." اس نے گہرا سانس لیا "کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"کیا کروں، میرا فیصلہ تھا شادی کرنے کا، میں ہی اب پشیمان ہوں، واقعی میرا فیصلہ غلط تھا، میں اسے طلاق دے رہا ہوں تاکہ ناراض دلوں کو مٹاؤں مگر..... مگر امی کہہ رہی ہیں اسے لے کر آؤ۔" دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں الجھا تا وہ بے گل تھا۔

"اور تم..... تم کیا کہتے ہو؟"

"ابو اس کا رد عمل اس کا اخلاق، اس کے جھگڑے، نیچر، عادات سب آپ کے سامنے ہیں میں الگ گھر نہیں لے سکتا پھر وہی، جھگڑے فساد ہوں گے۔ اس سے بہتر ہے اب یہ معاملہ ختم ہو جائے۔ آپ امی کو سمجھائیے۔" دل کی ساری باتیں وہ باپ سے کہتا جا رہا تھا۔

"وہ تم سے ہی نہیں مجھ سے بھی ناراض ہے کہ میں تمہیں سمجھاؤں کہ اسے لے کر آؤ۔" عباد ان کی شکل دیکھنے لگا۔ "اور تم اسے لے کر آؤ۔"

"ابو.....!" وہ سارا مسئلہ جان کر بھی کہہ رہے تھے، وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"غلطیاں انسانوں سے ہوتی ہیں اور انسان ہی اسے معاف کر دیتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ بدل گئی ہو۔"

"اور اگر وہ نہ بدلی تو..... کبھی سرشت بھی بدلتی ہے، خیر کبھی کبھی پہنچ جاتا ہے۔"

"ویسے بھی تم چارے ہو، اپنی ماں کی بات مان لو۔ اسے یہاں چھوڑ جاؤ، تبھی غلطی تو ٹھیک ورنہ..... پھر ہم خود تمہارا ساتھ دیں گے۔"

"ابو.....!" وہ کسمسا کر رہ گیا "اور بھابی، بھابی کی جو اتنی بے عزتی ہوئی ہے، وہ تو کہتی ہیں اگر شایان اس گھر میں آئی تو وہ نہیں رہیں گی۔"

"اس کا فیصلہ میں کروں گا کہ کون رہے گا کون نہیں، میں تمہاری ماں کو دیکھی نہیں دیکھ سکتا، ویسے بھی تم نے انہیں بہت ہرٹ کیا ہے اس نے کچھ سوچ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے تو اس کی ماں لو۔" وہ پھر الجھ کر رہ گیا۔

"ہفتے کو تم چارے ہو، جسے کو اسے ادھر چھوڑ جاؤ۔"

رحمن صاحب نے عباد کی مشکل آسان کی۔ عباد انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

”قسمت مہربان ہو رہی ہے یا ایک اور گھاؤ لگنا چاہتی ہے یا پھر..... یا پھر“ بالوں میں انگلیاں پھنسا لیں۔

رحمن صاحب فائل دیکھنے لگے۔

”ایک فیصلہ ہم ماں باپ کا بھی مان لو جتنا سوچو گے اتنا ہی الجھو گے صاحبزادے، یہ چائے لیو، اس کے بعد بازار جا کر کچھ شاپنگ کرو جانے کے لیے، تم کون سا ادھر ہو گے۔ یہاں لگوں کی خبر نہیں ہوتی کب کیا ہو جائے تم تو پھر سال ڈیڑھ سال بعد آؤ گے، ہو سکتا ہے سب کچھ بدل چکا ہو یا پھر.....“ چونک کر کب اٹھاتے اٹھاتے دیکھا۔ وہ ہنس رہے تھے۔ وہ بھی بے مٹی پھینکی سی ہنسی ہنس دیا۔ وقت کی بساط پر جانے اس کی قسمت میں کیا رقم تھا۔ سوچ بچار کے بغیر کیے ہوئے جذباتی فیصلے ہمیشہ ہی مڑلاتے ہیں۔

☆☆☆

فون کی بیل پر شایان پڑ پڑا کر اٹھی اور سرعت سے بھاگ کر فون لے اٹھا۔

”ہیلو، شننی کیسی ہو، کہاں ہو بھی، تمہارے بغیر تو ساری محفلیں، پینک پارٹیز اوروری ہیں۔“ اس کے جذباتوں پر اس نے گرتے لگی، دوسری جانب زری تھی۔ اس کا حلق کڑوا ہونے لگا۔

”بولو، کہاں ہو تم، فون ہی نہیں اٹھاتیں میں بھی کر سسرال چلی گئی ہو، کیا کرتا ہے ایسے دقناوسی لوگوں میں جا کر، طلاق لے لو عباد سے۔“ سچ کہنے توگ تمہاری محبت میں مر رہے ہیں۔ میں آ رہی ہوں تمہاری طرف، ٹوٹی کے ساتھ۔“ اس کی حسیات الٹ ہو گئیں۔

”کیوں..... کیوں.....؟“

”بھئی ملنے، اتنے دن ہو گئے ہیں تم سے ملے ہوئے پینک پر جا رہے ہیں سچ پر۔ اس کے بعد پروگرام ہے، لاہور چلنا ہے تمہارا انٹ لے لیا ہے، کلب میں ایک شاندار پارٹی ہے، تمہیں خبر ہے مگر تم تو کلب بھی نہیں آ رہی ہو، میں بھی مصروف ہی آ نہ سک۔ میں نے باؤنٹنگ شروع کر دی ہے نا، تم نے میرا ایڈ دیکھا ہوگا کیبل پر۔

آ کر بات کرتی ہوں، ٹوٹی گاڑی میں ہے۔“

”زری..... زری ابھی گھر مت آنا، ابو آئے ہوئے ہیں میں فی الحال نہیں جاسکتی۔ اچھا خدا حافظ۔“ جلدی سے کہہ کر فون رکھ دیا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی، گویا بہت دور سے بھاگتی ہوئی آ رہی ہو۔ دھم سے صوفے پر گر گئی، تیزی سے دھڑکتے سینے پر ہاتھ رکھا۔

آئی نے کہا تھا اگر تمہیں ابھی لڑکی بننا ہے تو سب سے پہلے اپنی ان تمام دوستوں کو چھوڑنا ہوگا، ان جیسی لڑکیاں نہ ہوتی ہیں اور نہ بسنے دیتی ہیں، یہ آزادیتیاں آزادی کی مظلومی پھر پور فائدہ اٹھاتی ہیں۔ آج کل وہ شایان کو ابھی باتوں کا درس دے رہی تھیں۔ اور اس تدریس سے اسے بہت فائدہ ہوا تھا۔ دل کو سکون ملا تھا۔

آئی سارہ سے ہی وہ آج کل از سر نو قرآن پڑھ رہی تھی، نماز سکھ رہی تھی، وہ تو نام کی مسلمان تھی بس..... اس نے تو بھی نماز نہیں پڑھی تھی، بچپن کا پڑھا ایک دفعہ کا قرآن بھول گئی تھی۔ کیبل کے تمام داہیات، فضولی نمبر پنا دیئے تھے، اخلاق باختہ مودی، ڈراموں اور دوسری چیزوں نے اس کا دماغ خراب کیا تھا۔ اب صرف قرأت، نعت خوانی کے نمبر کیبل پر لگاتی تھی۔ جن کو سن کر ایک نئی لڑکی اس کے وجود میں جنم لے رہی تھی۔ دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل ڈوٹن آن کر لیا۔

”انسان دوستی کا ایک تقاضا حسن ظن بھی ہے، انسان دوسرے انسانوں کے بارے میں نیک گمان رکھے، بدگمانی، بدگوئی انسانوں کے باہمی تعلقات کو خراب کرتی ہے، نیک گمان رکھنے سے بے شمار دشمنوں سے نجات ملتی ہے، ہمارے حضور نے اسے ”عبادت“ قرار دیا ہے۔

”انسان کی زندگی بے حد مختصر ہے صاحبو، اس لیے ہمیں ایسے اوصاف اپنانے چاہئیں جن پر چل کر ہم فلاح پائیں اور لوگوں میں مقبول و معروف ہوں۔ حضور کا فرمان ہے روزِ محشر ترازو ایمان میں جو چیزیں رہی جاسیں گی اس میں حسن اخلاق سے زیادہ ہماری چیز کوئی اور نہیں۔ جس نے اپنے اخلاق کو اچھا بنالیا اس نے بہشت کے دروازے کھلے دیئے ہیں اپنا گھر بنالیا، اچھے اخلاق کا مالک اللہ کا

دوست ہے۔“ وہ صوفے پر بیٹھی۔ ساکت نظروں سے ٹیبل دیرین کی اسکرین کو دھم دیکھ رہی تھی۔ وہ اندر تک کانپ گئی۔ اس کا اخلاق، اس کا ایمان، اس کے اعمال، اس کی مٹھیاں سمجھ گئی، وہ ایمان کی کس منزل پر ہے۔

آئی سارہ اندر آ گئیں۔

”اخلاق کو دو حصوں میں بانٹا گیا ہے، ایک فضائل اخلاق اور دوسرے رذائل اخلاق۔ فضائل اخلاق وہ عادات و طور طریقے ہیں جو انسانیت کے لیے مفید ہیں لہذا پسندیدہ ہیں۔ رذائل اخلاق وہ عادات اور طور طریقے جو انسانوں کے لیے مضر ہیں، پسندیدہ ہیں، پروگرام ختم ہو گیا۔ وہ ساکت سی سن رہی تھی، اپنی ساری زندگی اس کے سامنے تھی اس کے اخلاق، رذائل ہی رذائل نا پسندیدہ..... اسے تو کوئی بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی آنکھیں بھرنے لگیں۔

آئی سارہ نے محبت سے ہاتھ تھام لیا۔ اشک رخساروں پر ڈھلک گئے۔

☆☆☆

عباد کمرے میں داخل ہوا۔ زبیدہ رحمٰن نے اسے دیکھا تو تھکی کے طور پر منہ پھیر لیا، دھیرے سے ان کے سامنے آ کر دوڑا ہوا۔

”ناراض ہیں؟“ عباد نے ان کے ہاتھ تھام لیے..... جو انہوں نے شامی سے انداز میں جھٹکے، عباد نے پھر تھام لیے۔

”بہت ناراض ہیں نا، میں جانتا ہوں مگر میں کیا کروں دھیرے دل و ظفر سے اتر چلی ہے، مجھے اچھی نہیں لگتی اب..... مگر آپ کے صرف آپ کے لیے میں کل اسے لے آؤں گا۔ طلاق کے پیچھے میں نے بھانڈ دیے ہیں۔ اس کے بعد بتائیں گی فٹے دار آپ ہوں گی۔“ وہ عباد کو دیکھنے لگیں۔

”کسی کی شکایت، شکوہ میں نہیں سنوں گا یہ آپ کا فیصلہ ہے، رعنا بھائی کو آپ نے ہی منانا ہے۔“

”وہ میرا ہے مجھے تو صرف اسے تراشا ہے، اس نے مجھے کچھ نہیں کہا مگر میرا دل..... جانے کیوں اسے اپنے

سامنے دیکھنا چاہتا ہے۔“

”آپ کی خواہش، آپ کے لیے پوری کر رہا ہوں۔“

”بہت شکریہ تمہارا بیٹا، زبیدہ رحمٰن کو غصہ آ گیا“

”قصور تمہارا تھا اس کا نہیں، اسے تمہیں اس گھر کے طور طریقوں سے آشنا کرانا چاہیے تھا اگر انسان سمجھدار نہیں ہے تو اسے سمجھانا چاہیے۔“

”پینک میں نے کر لی ہے، کل عصر کے وقت میری فلائٹ ہے میں صبح اسے لے آؤں گا..... اور.....“ اور دودھ کے گلاس لے کر آئی رعنا دو دروازے میں ٹھنک گئیں ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ کل عباد جا رہا تھا ان کے علم میں تھا۔ آج امی کے سامنے عباد کی دوسری شادی کے حوالے سے بات کرنے آئی تھیں مگر یہاں.....

”کس کو لے آؤ گے، کون آ رہا ہے؟“ خود کو تارل کیا، آگے آئیں مڑے سائیڈ پر رکھ کر اور ادھر ہی بیٹھ گئیں۔

”عباد جا رہا ہے کل اور شایان آ رہی ہے۔“ زبیدہ رحمٰن نے انہیں دیکھا۔

”جی.....؟“ حیرت سے دیکھا۔ ”کیوں آ رہی ہے وہ یہاں، کیا منہ لے کر..... امی میں نے کہہ دیا ہے میں نہیں رہوں گی اگر وہ آئی تو، آپ جانتی ہیں کہ.....“ عباد اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”رعنا خود کو سنیا لو، اچھی یا بری وہ اس گھر کی بہو ہے، وہ آ رہی ہے تو تم سے تمام ناروا سلوک کی معافی مانگے گی، نہ صرف تم سے بلکہ سب سے اور آئندہ تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، تمہاری اہمیت مسلم ہے تمہیں اس گھر داری سے کوئی الگ نہیں کر رہا ہے اور نہ تم ایسا سوچنا۔“ رعنا اندر ہی اندر بیل کھا کر رہ گئیں۔

”امی مگر.....“ کچھ تذبذب سے عباد کو دیکھا۔ عباد دوسری جانب متوجہ تھا، فاریہ، اس کا مستقبل، ان کی پلاننگ.....

”اگر انسان شرمندہ ہو تو ضروری نہیں ہے کہ اس کو سزا دی جائے، اب ایک بدلی ہوئی لڑکی ہو گی وہ۔“

”آپ کو کیسے پتا آپ سے ملی ہے وہ، فون آیا ہے اس کا کہ آکر مجھے لے جائیں بدو ماع، آوارہ، ذلیل

”رعنا.....“ زہیدہ رضی نے غصے سے دیکھا، عباد بھی گڑبوا گیا ”ایک انسان کی غلطی کو اس کی غلطی کہو، پورے خاندان کا کیا قصور اور اس کے خاندان میں ہے کون، نہ ماں، نہ بہن بھائی، باپ ہے وہ اتنی دور۔“

”ہونہر نہ تفرسے انہیں دیکھا، رضا کو غصہ آ رہا تھا۔ فاریہ کو تو انہوں نے یقین دلایا تھا کہ عباد اس کا ہے، بس جلد ہی شایان سے چھٹکارا مل جائے تو پہلا رشتہ تمہارا ہی کروں گی..... مگر یہاں.....“

”امی، انسان کی تربیت میں جو کچھ حلول کر جائے وہ نکلتا نہیں، آپ دوبارہ گھر میں وہی بدظنی، ابتری، آزاد خیالی دیکھنا چاہ رہی ہیں، سریم پچھو کا منہ بمشکل بند ہوا ہے اسے دیکھ کر..... تو۔“

”بہو.....“ انہوں نے ڈپٹ کر رعنا کو دیکھا ”یہ ہمارے مسئلے ہیں، ہم سنبھالیں گے، کہا نا تمہیں اس سے کوئی شکایت نہیں ہوگی، مت رابطہ رکھنا، وہ بھی ضابطے میں رہے گی۔“

”امی..... آخر آپ اسے لانا ہی کیوں چاہتی ہیں، کیا دے گی وہ بد زبان، بد اخلاق، بد نظر عورت۔“ ان کا اشتعال بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

”تم جاؤ یہاں سے۔“ انہیں غصہ آ گیا۔ غصے سے عباد کو دیکھتی وہ کمرے سے نکل گئیں۔ ماں سے نظر ملنے پر عباد نے سر جھکا لیا۔

”بعض اوقات زندگی میں کیے ہوئے فیصلے سوائے شرمندگی کو شرمندگی کے کچھ نہیں دے سکتے امی۔“ دھیرے سے کہا۔

”تم کچھ مت سوچو، کچھ نہیں ہوگا۔ ابھی میں ہوں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ماں جب واپس آؤ تو دل و نظر بدل کر آنا۔“ عباد انہیں دیکھتا رہا، پھر آگے بڑھا اور ان کی گود میں منہ چسپایا۔ کتنا برا تھا وہ۔ کتنی بری ہوتی ہے وہ اولاد جو ماں باپ کی نافرمانی کرتی ہے اور والدین پھر بھی ان کا بھلا سوچتے ہیں۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں، آنسو ماں کے دامن میں سمیٹ دیے۔

”مجھے، مجھے معاف کر دیجیے گا امی میں نے آپ کا

دل دکھایا، نافرمانی کی، پیری وجہ سے جگ بھائی ہوئی۔ آپ یقین کریں میں واقعی اسے صرف اس وجہ سے اب رکھنا نہیں چاہتا..... مگر..... سر اٹھا کر ان کے ہاتھوں کو چومتے ہوئے کہا۔ انہوں نے مسکرا کر اس کی پیشانی کی بوسہ دیا۔

”اولاد جب غلطی تسلیم کرے تو غلطی کی نوعیت بدل جاتی ہے اور تم تو کنارے کی راہ پر چل پڑے ہو، میں ناراض نہیں ہوں، تمہارے فیصلے کو میں بہتر انداز میں بدل دوں گی۔“

..... وہ اس قابل ہی نہیں کہ بدلے اور اپنے انداز..... اک بار پھر ماں کی گود میں منہ چسپایا۔ کیا مسکرا انگیر احساس وجود میں خوشبو بھر رہا تھا، وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔ ہونٹ دھیرے دھیرے مسکرا رہے تھے۔

☆☆☆

اس نے ریک سے کتاب اٹھائی اور پڑھنا شروع کی۔

”حسن اخلاق‘ کشادہ روی، اختیار کرنے، خوب بھلائی کرنے اور دوسروں کے دل میں اپنی محبت پیدا کرنے کے لیے ایک کارگر گرو خوش خلقی ہے۔ مسکرا کر، ہمدردی سے، محبت سے بات کرنا، دوسروں کی عزت افزائی کرنا، تواضع اور انکساری سے پیش آنا۔ جن پر کچھ خرچ نہیں ہوتا مگر اللہ کی طرف سے ہر زیادہ دوسروں سے بھلائی سے پیش آنے میں تمام فضائل اخلاق آ جاتے ہیں۔ فضائل اخلاق انسان میں اوصاف حمیدہ پیدا کرتے ہیں جس میں احسان، ایمان، رحم دلی، شفقت، محبت، عفو و درگزر، حسن معاملہ، عیب پوشی، حسن سخن، جبر و تحمل، تعزیت و عیادت ان اوصاف کو اپنا کر انسان ایک دوسرے سے نیکی کرنا اور باہمی الفت و محبت کو بڑھاتا ہے۔

”رذائل اخلاق انسان کی جڑوں کو کاٹ دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے انسان چپتا ہے، ان کی محفل سے کترا تا ہے، بدی کی دوستی بھی بدنام کر دیتی ہے، رذائل اخلاق میں بغض، کینہ، حسد، جھگڑا، لگائے، غیبت، بہتان، زبان درازی، طعنہ زنی، جھگڑا لوپن، فخر و غرور، منافقت و

بدگمانی، بغض اور چرب زبانی شامل ہے۔ انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے، نیکر سے ہم آہم حاصل نہیں کر سکتے، خدا اپنے بندوں سے اس وجہ سے بھی خوش ہوتا ہے کہ اس کے بندے اس کے بندوں سے کس طرح پیش آتے ہیں۔“ اس کے ہاتھ سے کتاب گر گئی اور شایان کا دل کسی نے ٹھکی میں جکڑ لیا۔ وجود ایک بار پھر پورنگ ہونے لگا۔ وہ تو خدا کے ناپسندیدہ بندوں میں شامل تھی۔ اس کا شوہر اس سے خنزیر، سسرال والے نالائک، رشتے دار کترا تے تھے، آف! وہ کانپ گئی۔ اپنی زندگی میں کیسی فصل بونی آ رہی تھی، اس کے گرد گھبراہٹ اور کھٹکھٹ تھے اور.....

”یا اللہ!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑے اور ہونٹوں سے لگا لیے ”مجھے معاف کر دے، میں نے تیرے بندوں کا دل دکھایا ہے، مجھے معاف کر دے۔“ اس کے اشک پہ نکلے۔ آہٹ پر سر گھمایا تو آئی سارہ اس کے قریب تھیں۔

”میں کتنی بری ہوں نا آئی، میں نے کتنے لوگوں کا دل دکھایا ہے، عباد مجھ سے ناراض ہے اس لیے خدا نے مجھے بھٹکنے کی راہ پر ڈال دیا ہے۔“ وہ سسکی ”میں، میں ان سب کو منانا چاہتی ہوں آئی..... مگر کیسے..... کیسے..... میں مسلمان، پکی مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔“ وہ ان کے سینے سے لپٹ گئی۔ تم آنکھوں سے انہوں نے اسے اپنی آنکھوں میں بھر لیا۔

”بچے، جو سنبھلنا چاہے خدا اسے سیدھا راستہ بھی دکھا دیتا ہے، صحیح راہ کا تعین بھی کر دیتا ہے، بندہ اپنے گناہوں پر شرمسار ہو، سچے دل سے استغفار کرے۔“ دھیرے دھیرے اسے تسکین ہوئے وہ سمجھا رہی تھیں، گرم گرم آنسو اس کے دل پر گرتے، اسے آگئی دے رہے تھے۔

”آئی.....“ ”بہت دیر بعد آنسو تھمتے تو اس نے سر اٹھایا ”میں عباد کو راضی کرنا چاہتی ہوں، انہیں منانا، معافی مانگنا چاہتی ہوں، خدا کہتا ہے جو مجھے راضی رکھتا ہے تو میرے بندوں کو راضی رکھنا ہوگا اور وہ..... وہ سب تو۔“

”وہ سب بھی راضی ہو جائیں گے۔“ دھیرے سے آنکھ میں آنسو سمیٹے ”میں نے تمہاری سراس کو فون کیا

تھا۔“

”اوہ..... پھر.....“ بے اختیار ہاتھ تھامے، آنکھیں جھپکے لگیں۔

”جائے تم نے کیا کیا ہے، عباد ناراض ہے بہت سخت، تمہیں انہیں فون کرنا چاہیے تھا، میں نے تمہاری طبیعت خرابی کا بتایا کل..... کل لینے آ رہا ہے عباد تمہیں۔“ ”کل.....!“ آنسوؤں بھرے چہرے سے مسکرائی ”آئی کل.....!“ بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ آنسو گرنے لگے۔

”ہاں کل۔“ انہوں نے شایان کا ہاتھ تھام لیا ”بیٹا سنبھلنے کے لیے ایک موقع خدا ضرور دیتا ہے تم ان سب کے دل جیت لینا، وہی تمہارا گھر ہے، دوسروں کو عزت و تکریم دو گی تو تمہیں عزت ملے گی۔ ایک بار پھر تمہیں گھر داری سنبھالنے کا موقع مل رہا ہے، وہ سب غلطیاں، کوتاہیاں مت کرنا جو تم دوسروں کے کہے میں آ کر کر چکی ہو۔ شایان، سسرال اور شوہر کو سنبھالنے کے لیے انسان کو صرف اپنے دماغ، معاملہ فہمی اور سسرال والوں کے طور طریقے اپنا کر سوچنا چاہیے، دوسروں کے کہے میں آ کر صرف گھر اجڑتے ہیں، برے دوست بدترین دشمن ہو جاتے ہیں، فہم و فراست سے ہمیں ان کا انتخاب کرنا چاہیے۔“ وہ مردبازی سے سمجھا رہی تھیں اور شایان سر جھکائے فرمانبر داری سے سن اور سمجھ رہی تھی۔ دھیرے دھیرے بے قراری سے ہاتھوں کو مسل رہی تھی۔ (آج سے پہلے ایسا ایقان اور آگئی حاصل کب ہوئی تھی کب کسی نے اس طور سمجھایا تھا) مسکرا کر سر اٹھایا۔ خدا جب معاف کر دے تو خود بخود راستے ہموار ہو جاتے ہیں، آگئی کے در کھل جاتے ہیں۔

”انٹو تیار کر دو اور سنو ہو سکتے تو عباد کو فون کرلو۔“

”جی..... میں۔“ اس کا چہرہ ہلش ہونے لگا ”وہ تو ناراض.....“

”نہیں! مان گیا ہے تو لینے آ رہا ہے نا۔؟“ انہوں نے شایان کے چپٹ لگا لی۔

”اوہ.....!“ اس کے اندر سر خوشی سی اترنے لگی۔ عباد کے لیے بھر پور محبت اس کے روم روم سے پھوٹ

بڑی۔ اس کا وجود نکلنا اٹھا۔ دھیرے سے اٹھ کر اپنے گھر میں آئی اور توجہ شکر بجالائی، خدا نے اتنی جلدی اس کی کوتاہیوں کو معاف کر دیا۔

سبے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، بندہ شرمندہ تو ہوا درود شرمندہ تھی۔

☆☆☆

”آئی.....“ کچھ دیر بعد وہ پھر ان کے سامنے تھی۔

”کیا ہوا بیٹا.....؟“

”آئی میں نے بازار جانا ہے، میرے پاس تو کوئی کپڑا ہی نہیں اور درودب میں تو سب جیتے، لی شرت کرتے اور خراب کپڑے ہیں، اب میں وہ سب تو نہیں پہن سکتی نا۔“ مصحوبیت سے انہیں دیکھا ”صبح تو وہ آجائیں گے۔“ سر جھکایا۔

”چلو.....!“ وہ مسکرا دیں۔ شایان نے مسکرا کر سر اٹھایا، نئے نویلے جڈیوں نے اسے ایک نئی خوشی سے ہلکا کر دیا تھا۔

ساری رات سوئے جاگتے، خواب بننے گزری، وہ کیسے عباد کا سامنا کرے گی۔ اُف.....! ملن کا سوچ کر ہی اسے اک نیا سرور سا محسوس ہوتا۔ وہ مان گئے ہیں تو لینے آرہے ہیں، وہ کون سا جوڑا پہنے، سرخ، ہنر، سفید، دھلیا یا کاسی۔

سارے ریڈی میڈ سوٹ بھیلے تھے۔ اس نے کاسی سوٹ اٹھالیا، چوڑی دار پانچاھے کے ساتھ، بڑا سا دو جٹا تھا۔ انریکٹ فل، عباد کا پسندیدہ مگر..... اس کی آنکھیں جھپکے لگیں۔ نگاہ سرخ سوٹ پر پڑی، مکمل وہ گھر میں یہ سوٹ پہن لے لی۔ اس سوٹ پر ہاتھ پھیرا۔ دل نئے جذبوں سے بھر لگا۔

ایک نئی روشنی کی نئی تیرگی اس کے ہمراہ تھی گویا نیا جنم ہوا ہو۔ چاہتے ہوئے بھی اس نے عباد کو نوٹ نہیں کیا، سب..... سب کچھ مکمل کر کے گی، معافی، معذرت، سلامتی..... اس کے لب مسکرا اٹھے اور سب کچھ جو عباد کہیں گے۔ مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔ تقدیر..... اس کی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی مسکان گہری کرتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

صبح دم اٹھ کر اس نے آئی کے ساتھ مل کر فجر پڑھی، پھر انہوں نے اس سے قرآن کا اگلا سبق سنا۔ اس کے اندر سرخوشی اور مسرت کے دینے روشن تھے۔ وہ لان میں آگئی۔ پھولوں کے چہرے چشم سے ڈھکے ہوئے تھے، ہنر گھاس کیلی ہو رہی تھی، نرم خم، سبک ہواؤں نے اس کو صبح بخیر کہا۔

گلاب اور سفید چپاچن کر اس نے گلدستہ بنا کر لان کی ہی ٹیبل پر رکھ دیا اس کے قدم زمین پر نہیں پڑے تھے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا آنکھیں، دل، وجود فرش راہ کر دے، عالم سرخوشی میں مبتلا مسکرا نہیں، چہرے پر اور نکلنا نہیں لیوں پر نہیں۔

☆☆☆

جانے کہاں سے اتنا غبار اور تغیر عباد کے وجود میں بھر گیا تھا شایان کے لیے اس نے عہد کر لیا تھا کہ اسے وہاں نکلنے نہیں دینا، ہر حال میں اس کی جگہ فاریہ لے گی۔ انہوں نے عباد سے سیدھے منہ بات کرنا درکنار نگاہ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ سب کو خدا حافظ کہہ کر ذرا دیر پہلے گھر سے نکلا تھا عباد۔ ذرا نیورے اسے پورٹ جھوڑنے جا رہا تھا، جب اس نے شایان کے گھر کا راستہ سمجھا۔ جانے پہچانے راستے، محبت کی گزرگاہیں، نکلنا تے لٹے، سب ساتھ مل کر قرض کرنے لگے۔

محبت مرتبھی جائے تو بھولتی نہیں ہے، بھولنا بھی چاہیں تو نظارے، یادیں اور راہیں بھولنے نہیں دیتیں۔ اس رخ سے منہ پھیر کر اس رخ دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں مرتبھی ہی بھر لگیں۔ اس کی محبت سے اسے بہت دکھ ملے تھے۔

”جی صاحب!“ گاڑی مطلوب جنگلے کے سامنے کھڑی تھی۔

”بارن دو!“ عباد نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے سیاہ گیٹ کو دیکھا۔ باہر بیٹھا چوکیدار اٹھ کر اس کی جانب آیا۔ ذرا نیورے بارن دیا۔ چند تابیے بعد گیٹ پورا کھل گیا۔ چوکیدار کھڑکی میں جھک گیا۔

”سلام صاحب.....! اندر آئیں۔“

”نہیں، تم بی بی کو بھیج دو۔“ کھلے گیٹ سے اندر نگاہ

کی۔ سامنے ہی وہ کھڑی تھی، دوسرے کچے چوٹک گیا، وہ جینر شرٹ میں لمبوں ہونے کے بجائے پر پل کمر کے چوڑی دار پانچاھے، شرٹ پر دو جٹا پھیلائے کھڑی تھی۔ کھلے ہوئے پال شانوں پر کھڑے تھے۔ قدم قدم اس کی جانب بڑھاتی آرہی تھی۔ عباد نے منہ پھیر لیا۔

”عباد بیٹا اندر آئیے نا؛ خوشی سے چپکے چہرے کے ساتھ آنی سارہا ہر آئیں۔“

”نہیں آنی مجھے کام سے جانا ہے، آپ اسے بھیج دیں۔“ سنجیدی سے سلام کر کے منات سے کہا۔

”اے کیسے بیٹا، یہ تمہارا گھر ہے۔“

”پلیز آئی بی ایف ایف ممکن نہیں۔“ کھڑی پر نگاہ کی

”بہت ضروری کام ہیں۔“

”اچھا.....! ناشتا، چائے، ٹھنڈا۔“ سارہ اصرار کرنے لگیں۔

”پلیز آئی“ کہاناں۔“ وہ پلٹ گئیں، انہیں عباد کے توجہ تک نہیں گئے۔ سامنے ہی خوشیوں کے احساس سے جگمگانی شایان تھی۔

”آئی کیا ہوا؟“ شایان نے پوچھا۔

”آ جاؤ، وہ بہت جلدی میں ہے۔“

”اچھا۔“ گاڑی کی جانب دیکھا۔ عباد چوکیدار سے بات کر رہا تھا۔ شایان ان سے کچھ مل کر گاڑی کی جانب آگئی۔ پیچھے پیچھے ملازمہ تھی۔ اس نے اس کا بیگ گاڑی میں رکھا۔

”بیگ، بڑا سا لیدر کا بیگ۔ اس میں شاید اس کے کپڑے تھے۔ ذرا نیورے دروازہ کھول دیا۔

”السلام علیکم۔“ گاڑی..... میں بیٹھ کر دروازہ بند کر کے سلام کیا۔

”علیکم السلام۔“ اس پر نگاہ کیے بغیر ذرا نیور کو گاڑی چلانے کا اشارہ کیا۔ جھپکے چہرے، دکتی آنکھوں اور ہنر کتے دل کے ساتھ وہ سرخوشی بھرے انداز میں آگے بیٹھے عباد کو دیکھ رہی تھی۔ وہ شاید ابھی تک تھا تھا، سنجیدہ، سوز، خاموش۔

”میں مثالوں کی، معافی مانگوں گی، غلط راہ شوق نے مجھے بھٹکا دیا تھا، اس سے پہلے دین سے لاعلم تھی۔“

حقوق کی اہمیت کا احساس نہیں تھا، لیکن اب.....“ عباد کو دیکھتے دیکھتے آنکھوں کی سطح جھپکے گی۔

”اب میں علم کا سفر طے کر رہی ہوں، آگئی میرے ساتھ ہے۔ اب..... کبھی بھی عباد آپ کو مجھ سے شکایت نہیں ہوگی۔ کبھی بھی میں آپ کی دل آزاری، دل شکنی نہیں کروں گی۔ آپ مجھے گھر لے آئے آپ کا بے حد شکریہ، شوق خودی کی ہی کیفیت میں عباد کو کتنے جاری تھی جو اس کے وجود سے نیکر غافل کا بے رگ ہے ریسٹ واپس پر نگاہ ڈالتا ہے جد خاموش تھا خودی لینے آ جاتے عباد..... ملن کے اس راستے کو امر کر لیتے۔ اس کے لب مسکرا دیتے۔

”آپ..... آپ مجھے بدلہ ہوا دیکھ کر کتنا خوش ہوں گے، میں نے آپ کا پسندیدہ رنگ پہنا ہے۔ آپ کے رنگ میں رنگ گئی ہوں۔ میں نے آئی سے اپنا رنگ وشت لٹکانا سیکھا ہے، آپ کو بے حد پسند ہے نا، اب چائے بھی اچھی بناتی ہوں۔ صبح کا ناشتا خود بنایا کروں گی، آپ کا دل چاہتا ہے تو..... تو..... اپنی سوچوں میں گم، غریب مسرت سے اسے نکلے ہوئے پتا نہیں چلا کہ گھر آ گیا۔

گاڑی جھپکے سے عشق جیچان کے پھول چوں سے ڈھکے گھر کے آگے رکھ گئی۔ ذرا نیور اتر کر دروازہ کھول رہا تھا۔

”اتریے بی بی صاحب!“ اترتے ہوئے عباد کو دیکھا۔ وہ منہ موڑے باہر دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں سنبھال کر اتر گئی۔ ذرا نیور نے بیگ اٹھا کر اندر رکھ دیا۔ گیٹ سے اندر داخل ہونے سے پہلے اس نے منہ پھیر کر دیکھا۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ عباد پیچھے آ رہے ہوں گے۔ لمحے بھر بعد حیران ہوئی، گاڑی زن سے آگے نکل گئی۔ ضروری کام سے گئے ہوں گے۔ اندر کی جانب قدم بڑھائے۔ دوسرے لمحے وہ چونک گئی، لان میں رکھی جینر پر زبیدہ رحمن بیٹھی تھیں، ان کی جانب قدم بڑھادے۔

”السلام علیکم۔“ ادب سے ان کے آگے جھکی۔

”علیکم السلام۔“ محبت سے سر پر ہاتھ پھیر کر ماتھے کا بوسہ لیا۔ شدت سے شایان کے دل میں ان کی گود میں چھپنے کی خواہش جاگی۔ ان کے آگے دوڑا نو ہو گئی ہے

مہانتہ۔

”امی! میں اپنے پچھلے رویوں پر شرمندہ ہوں۔“
 دھیرے سے ان کے ہاتھ تھام لیے ”آئی ایم سوری میں
 نے آپ سب کو ہٹ کیا۔“ اس کا ہر برہان انہیں چونکا
 رہا تھا، کتنی بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔

”میں معافی کے قابل تو نہیں جو سزا ملے گی میں سبہ لوں گی۔“ سنجیدگی اور متانت اس کا خاصہ تھی ہی نہیں جس کا وہ اظہار کر رہی تھی۔

”بیٹا، جب تم اپنے کپے اور اپنے کیے پر شرمندہ ہو تو سزا کبھی مجھے خوشی ہے کہ تم لوٹ آئی ہو اور بالکل بدل چکی ہو۔“ سنا سن بھرے انداز میں اس کے کھلے کھلے روپ، جو چمکے ہوئے لباس، جھمکے سر اور بادب لبجہ تبدیل بہت اچھی لگ رہی تھی۔ دھیرے سے اٹھا کر اپنے مقابل بٹھالیا۔

”اوہو، شایانِ صلحہ تشریف لائی ہیں۔“
بھابی کی آواز پر وہ چونکی۔ طنز بھرے چہرے کے ساتھ اس
نے سر جھکا لیا۔

”کیسے آتا ہوا پورانی جی۔“
”راحمہ، اس کا گھر ہے آگئی۔“ زبیدہ رحمٰن کو برا لگ گیا۔

”اچھا مگر انہوں نے اس گھر کو گھر سمجھا ہی کب تھا اور اوتنی تعلق کے بھی گھر ہوتے ہیں۔“ وہ اندر تک کٹ گئی۔ اپنے آنچل کا ایک کونہ میٹھی میں پکڑ لیا۔ اس کے ساتھ صبر و تحمل، ظرف برداشت کے اصول بندھے تھے۔

”بنا صبر و برداشت کو ہاتھ سے پھینکے نہ دینا جو فصل
 بونی ہے اسے کاٹنے کا وقت ہے۔ ببول کی زمین پر ببول
 اور کیکش کی کاشت سے کیکش ہی کی فصل اگے گی اور یہ
 ببول، کیکش، بکیر، شیم کی فصل ہی تم نے کاٹی ہے۔ فصل کی
 کٹائی کے بعد زمین ہموار کر کے تم کی فصل بوو گی۔ محبت
 کی فصل لیکن فصل کی کٹائی اور چھٹائی کے درمیان کا وقت تم
 نے صبر و تحمل سے گزارا ہے۔ یہ تمہارا امتحان اور شاید سزا
 ہو..... مگر ایک گھر مضبوط گھر بنانے کے لیے صبر و ضبط
 اس پلے سے گزرا ضروری ہو گا۔“ دھیرے سے اس نے
 اپنے عیروں کو مضبوط کیا، آنی کے شیریں لفظوں نے اس

کے گرد و حصار بنالیا۔

”اور سمجھنے کی بات یہ ہے امی کہ انہیں گھر آنے کا خیال آیا، کیونکہ“ راحمہ بھابی استہزائیہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

”راحمہ! یہ اس کا گھر ہے بالکل تمہاری طرح، یہ آسکتی ہے یہاں۔“

”اچھا.....!“ سر سے لے کر پاؤں تک سر جھکائے
سایاں کو دیکھا۔ ”حیرت ہے!“ جائے کی ٹرے میںبل پر رکھ
کر مڑ کر اندر چلی گئیں۔ کچھ لمحے تک وہ جاتی ہوئی راحمہ کو
دیکھتی رہیں۔ اس درجے ناروا سلوک کی راحمہ کی جانب
سے امید نہیں تھی مگر انہوں نے گھر اسٹانس لے کر شایاں کو
دیکھا ابھی تو انداز پھر رعنا، اس کے بعد مریم آپا اور اس کے

”شایان، کچھ دنوں تک تمہیں یہ سب یادداشت کرنا ہوگا، سب کی مخالفت کے باوجود میرا اور تمہارے ابو کا وٹ تمہارے حق میں تھا۔ ہمارے نزدیک بچے بچے دتے ہیں انہیں ایک موقع ملنا چاہیے۔ ساری زندگی کا حاملہ ہوتا ہے بیٹا۔ تم اپنے حوصلوں کو بحال رکھنا۔“

کتھنوں کی سطح بھگ رہی تھی، شایان نے سر اٹھایا اور مسکرا

”کوئی بات نہیں امی، دراصل میں نے بھی تو...“
 ”تم مجھے بہت بدلی ہوئی لگ رہی ہو، پہلے دالی
 لایا ان سے“ شایان نے ایک بار پھر سر جھکا لیا۔ اب کیا تانی
 کہوں بدلی، کیسے بدلی، آئینہ کس نے دکھایا، محبت جنوں
 بڑی میں کب بدلی۔ نگاہ میل کی جانب اٹھی، چائے کی
 سے ویسے ہی رکھی تھی۔ ٹرے آگے کر کے چائے بنانے
 کی، زہیدہ رحمن محبت سے اسے دیکھنے لگیں اور..... اور
 پتے کمرے کے میز سے یہ منظر دیکھ کر عناقوشہ بد چھوٹا

”تو یہ..... آگئی..... اور امی..... اتنی عزت افزائی
کے باوجود اسے سر آکھوں پر بٹھا رہی ہیں۔ آدھارہ چلنے
ہمیں تو اس گھر میں بسنے ہی نہیں دینا اب۔“ تنفرانہ
الاز میں سوچا اور اندر چلی گئیں۔

اپنے کمرے میں جاتے ہوئے اس کا سامنا کیا

بارے ہوا۔

”ارے تم، کب کس کے ساتھ آئیں۔“ انہیں
 پہنچے ہوئے جان نہ سکی، حیرت ہے، طنز ہے یا خوشی۔
 عمار..... تو“ اس کا ناقدانہ انداز میں جائزہ لیا۔ ”اور عمار

”کیسے آیا۔ اتنی نفرت کے باوجود۔“
 ”جی!“ وہ بھی نہیں (نفرت..... کیسی نفرت، اگر
 تمام رہتی تو لے کر آتے، اب تو صرف ناراضی ہے،
 میں..... میں منالوں گی)

”اور یہ تمہارے لباس کو کیا ہوا؟“ ”اب یہ نیا
پتھر کر، نئے ہتھیاروں سے لیس ہو کر آئی ہیں سسرال
ا۔“ ”راحمہ بھائی بھی آئیں۔“

”گلتا ہے زبان بھی ادھر ہی رکھ آئی ہے۔“ دونوں
 دوسرے کو دیکھ کر ہنسی۔ شایان گوگو کی کیفیت میں
 تھی۔

”میں تو حیران ہوں کہ عباد لے کیسے آیا، وہ تو۔۔۔“
 یعنی انداز، بامعنی اشارے، تضحیک بھر انداز و رویہ۔ وہ
 نے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

بے شک، اس نے راحہ بھائی، ہندابھائی کے ساتھ تیزی کی تھی ان کے بچوں کو مارا تھا، زبان چلائی تھی ان کے بارے میں بھی جھوٹی افواہیں اڑائی تھیں، وہ معافی مانگنے سے آنی تھی۔ دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ ”مجھے معافی مانگنے کا موقع تو دیں۔“ لائٹ آن کی۔ ایک محسوس کن احساس خوشبو بن۔۔۔ کرگوں میں عزتیت کر گیا۔ ٹھنڈک دسکون نے اپنے پر پھیلائے۔ سامنے ہی دیوار پر ان کی اعلیٰ راج تصویر لگی تھی۔ سائید نیل ایک فریم تھا۔ ذریعہ نیل پر میک اپ کا سامان، گلابی میز پر دے، میز پر کانپ، درخت پر پھیلے پردے۔ اجڑے سے صوفے پر بیٹھ کر مسکراتے ہوئے دسکون کی ٹانگ پر لی۔ ”اب تو میں آپ کی ہوں تا جس کے بھی دل میں غم، نفرت، شکوہ، شکایت ہوگی سر جھکا کر سونوگی اور اپنے بدلے لیجے اور سلوک سے سب کو خوشیاں دوں گی۔“

”عبادت اٹھ کر سائیڈ پر رکھی اس کی تصویر کو اٹھا لیا۔
مجھے آپ سے معافی مانگنی ہے بہت زیادہ..... اور.....“

اور دھیرے سے فریم کی سطح پر ہاتھ پھیرا۔ آپ کو یہ بتانا ہے میرے دل میں آپ کی کتنی محبت ہے اور..... اور میں پہلے جیسی نہیں رہی۔“ فریم بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔

بھرپور زندگی کا خواب اس کی آنکھوں میں بس گیا۔“ میں جانتی ہوں آپ کا غصہ نفرت مگر مجھے خود یہاں لانا نفرت میں کی تاہی تو باعث ہے نا..... مکان گہری ہوئے لگی۔ تین من میں محبت کے سارے پرستار مل گئے۔

☆☆☆

رات کھانے کی ٹیبل پر دل کو سنبھال کر آئی تھی۔
احمد بھائی اور اندرا بھائی کے سلوک نے بہت کچھ سمجھا دیا
تھا۔ امی نے عبت سے اپنے برابر میں بٹھا دیا۔ رحمن صاحب
نے خوشی کا اظہار کیا۔ اویس بھائی یا سر بھائی اور فرید بھائی کا
انداز سرسری سا تھا تو اس حیرت ہوئی عباد گھر نہیں آئے
تھے اور سب ان کے بغیر ہی رات کا کھانا کھا رہے تھے
جب کہ اس کے سسرال کا معمول تھا سب مرد گھر میں
آ جاتے تھے تو کھانا کھایا جاتا تھا۔ بچوں کو کھلایا جاتا تھا
لیکن اب ڈانٹنگ ٹیبل پر نگاہ کی۔ دوسرے لمحے چونک
گئی۔ رات بھائی بھی نہیں آئی تھیں۔

”تو کیا؟“ دوسوچ کر رہ گئی۔ تاہم رہنا بھائی کی کڑیا اور فخر نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ یا سر بھائی کا فرخ اسے دور سے مسکرا کر دیکھتا رہا نہ ادا بھائی کی کامیابی پر رام میں بھی شہی۔ کھانا کھا کر شیلان اپنے کمرے میں آگئی عباد ابھی تک نہیں آئے تھے اور..... اور کسی کو پورا دانی نہیں تھی ہوسکتا ہے سب کے علم میں ہو عباد بتا کر گئے ہوں اس کا انتظار بے چینی کو بڑھا رہا تھا۔ ابھر اُور شہتی رہی۔ ٹیرس میں کھڑی ہوگئی۔ اس بے چینی میں عشاق نماز بھی چھ لی۔ آہستہ آہستہ سب اپنے کمروں میں چلے گئے۔ گیارہ بج رہے تھے۔ وہا پر لان میں آگئی۔ آخری راتوں کا چاند بادلوں کے ساتھ ہم رقص..... گا بے بگا بے نکل رہا تھا چاروں طرف اک گہری خاموشی تھی۔ دھیرے سے لان کی سبزہوں پر بیٹھ گئی ساتھ ہی مٹی گیت تھا جس کے اطراف میں غنت بیچاں کے پھول پتے نکل رہے تھے۔ مسکرا ہٹ ہونٹوں سے کھلے لگی۔ سامنے سے ابھی کچھ دور میں عباد کی گاڑی آئی آگئی اس نے اس سے کتنی شکایات

تھیں۔ ”شایان تم کبھی رات گئے تک میرا انتظار نہیں کرتیں۔ میرا انتظار کیے بغیر سو جاتی ہو۔ صبح میری خواہش ہوتی ہے تم مجھے ناشادہ۔ میرے ساتھ کروناشتا گیٹ تک مجھے ہی آف کرو۔ شام کو بج دج سے میرے لیے تیار رہو مگر۔۔۔ وہ خفگی سے اسے دیکھتا تھا۔

”مجھے تو لگتا ہے میں نے محبت پا کر غلطی کی ہے تم میرے لیے ہونے دج میرے لیے تم تو بس دوسروں کے لیے تیار ہوتی ہو۔“ بھیلیوں کی اوک میں چہرہ تھام کر مسکرائی۔

”اب آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی عباد میں بالکل نئی لڑکی کے روپ میں آپ کو ملے گی۔ آپ کی محبت۔۔۔ آپ کی محبت کی تعبیر بن کر۔“ خواب آنکھوں میں جھلکانے لگے۔ آنے والے انھوں کا سوچ کر ہی چہرہ گلاب رنگ ہو کر پیاں کو جھپکا گیا۔

”مجھے بھی آپ سے محبت ہوئی ہے اور۔۔۔“

”شایان۔۔۔“ آہٹ پر بے اختیار پٹی۔ زبیدہ رجن کچھ فاصلے پر کھڑی تھیں۔

”جی ای! شایان کھڑی ہوگی۔“

”یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ بچے رات کا ایک بج رہا ہے۔“

”ایک۔“ وہ چونگی۔ ”ای وہ ابھی تک نہیں آئے۔“ خوف اور پریشانی ایک ساتھ اس پر حملہ آور ہوئی۔

”وہ نہیں آئے گا بیٹا!“

”جی۔۔۔“ چونک کر مڑی۔ ”کیوں؟“ بے ساختہ سا انداز تھا۔

”تمہیں عباد نے نہیں بتایا۔“

”نہیں!“ دھیرے سے سر ہلا اور سینے میں سانس جانے کیوں رکے لگیں۔

”عباد چلا گیا ہے فرانس کو ریز کے سلسلے میں۔“

”کیا۔۔۔!“ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کا داغ بھک سے اڑ گیا آنکھوں کے آگے ستارے ناچنے لگے۔

”ایک سال بعد آئے گا۔“ زبیدہ بیگم دھیرے سے قریب آ گئیں۔ اس کا ہاتھ تھا۔ ”وہ خفا ضرور ہے تم سے مگر مان جائے گا اس کا جانا ضروری تھا کہہ رہا تھا کہ واپس آ کر

تمہیں لے آؤں گا مگر میں نے کہا کہ بہو کو گئے اتنا حشر ہو گیا ہے اسے واپس لے آؤ اپنا گھر ہی اپنا ہوتا ہے۔“ دھیرے دھیرے چلتی بات کرتی وہ اس کے کمرے میں آ گئیں وہ خالی ذہن خالی دل خالی وجود لیے گویا کھینچ ہوئی آئی ہو۔ شکوے شکایت ناراضیاں خفگیاں آپس میں مل کر دور ہوتی ہیں غلطیاں کوتاہیاں جھگڑے باقی بات چیت سے ختم ہوتے ہیں۔ وہ اس کے سامنے چہرہ نہیں۔ شایان کو کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کے گرد سائیں سائیں کرتا سنا تھا۔ ”عباد چلا گیا۔ اسے چھوڑ کر کچھ کہے بغیر۔۔۔ اسے معافی دیے بغیر۔ تو۔۔۔ نفرت اس کے دل میں سلامتی تھی۔“

”مجھے تم کبھی بری نہیں لگیں۔ ٹھیک ہے کہ میرا اختلاف تھا کہ عباد کی دلن بھی اپنی پسند سے لاؤں مگر پھر اس کی خوشی میں میں خوش ہو گئی تھی۔“ زبیدہ رجن بتا رہی تھیں۔

”دراصل کوئی خود پر نہیں ہوتا۔ اس کی عادتیں اس کی محبت اس کی گید رنگ بری ہوتی ہے۔ نفاس کو کھاسی کا راستہ مل جائے تو سب کچھ صاف ہو جاتا ہے اور اگر گند غلاظت جمع ہوتی رہے تو نفس بدبو پھرنے نہیں دیتی۔ تم اس گھر میں دوبارہ میری ایما میری خواہش پر آئی ہو۔ دوسروں کا رویہ قدرے درشت ہو گا مگر پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ زبیدہ رجن اس کا ہاتھ

تھامے اسے دھیرے دھیرے سمجھا رہی تھیں اور وہ خائب دماغی سے انہیں دیکھتی رہی۔

”تم سو جاؤ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ کھڑے ہو کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر باہر نکل گئیں۔ اس کا بیگ سامنے پڑا تھا۔ سرخ لگا بی سبز جوڑے وہ چہرے کا سی گرین سوٹ جو خصوصی طور پر لیا تھا اور۔۔۔ اور۔۔۔

عباد کے لیے خصوصی طور پر لیا گیا گفٹ۔ اس کے وجود سے ایک نئی لڑکی نے جنم لیا تھا خواہشیں خواب بھی نئے تھے۔ سب۔۔۔ سب۔۔۔ خالی نظروں سے کمرے کا طواف کیا۔

”عباد۔۔۔ اتنی نفرت۔ میرے کیے کی اتنی بولی سزا۔ مجھے نہ لگاتے۔ مجھے وہیں پڑا رہنے دیتے۔ آپ نے

آپ کی آس و امید تو رہتی۔ یہاں آ کر تو سب کچھ ہاشم ہو گیا۔ آس و امید سیاہ سماعتوں کے مانند میرے وجود میں بچے گاڑے گی تو پھر ٹھیک ہے کہ نظر دلوں سے گرا ہوا شخص بھی کبھی دل کی مسند پر دوبارہ براجمان نہیں ہوتا۔ ہمیشہ دوبارہ نہیں ملتیں۔“ آنسو آنکھیں رخسار گریبان اور پھر دامن کو بھگوتے چلے جا رہے تھے۔ ”عباد۔۔۔ ایک۔۔۔ موقع تو دیتے۔ میں سب داغ دھو دیتی۔ اپنے دیکھے سب دکھوں کا ازالہ کر دیتی۔ ایک بار۔۔۔ ایک بار۔۔۔ تو میرے اندر کی نئی لڑکی کو آزما لیتے۔ ایک بار۔۔۔ ایک بار۔۔۔ سکینوں اور کراہیوں نے اس کے وجود کو ہلا ڈالا۔

”لعنت ہے میری زندگی پر!“ درد مسلسل نے اس کے وجود کو احاطے میں لے لیا۔ درد کے ٹکڑے اٹھے اور اس کے تن میں دم ہونے لگے۔ ٹھہرا ہوا بد حال سی وہ ایک جانب لڑھک گئی۔ ”لعنت ہے میری زندگی پر!“

☆☆☆

”ای میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ عباد کو اتنی نفرت تھی تو اسے لے کر کیوں آیا۔ خود کو چلا گیا ہلا ہمارے سروں پر ہونڈ کر۔“ یہ رعنا بھائی تھیں۔

”عباد کو دوبارہ اعتماد و اختیار کیسے آ گیا کبھی حرکتیں اور طریقے بھی بدلے ہیں۔ پہلے ٹریشہ باتوں کا حساب تو لے لیتا ہونہ۔“ یہ احمد بھائی تھیں۔

”میں تو منہ نہیں لگاؤں گی ہونہ۔“ یہ ندا بھائی تھیں۔ تینوں جھٹھانیاں اور سراس لاؤنج میں تھیں۔ زبیدہ رجن خاموشی سے تینوں کی سنتی رہی تھیں۔

”اپنی عزت اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ بد زبان غور ہے وہ۔ جانے کب کہاں کیا چکر چلا دے۔ اس کے سامنے سے بھی بچنا چاہیے۔“ رعنا بھائی کے دل کا غبار اور غصہ اسی طور نکلتا تھا جس جلتا تو شایان کو کچا کھا جاتیں جس نے ایک بار پھر ان کی پلاننگ خراب کر دی تھی۔ ایک سردی لہر باہر کھڑی شایان کے وجود میں سرایت کر گئی۔

دھیرے سے دیوار پڑ کر سہارا لیا۔

”ہا۔۔۔ اللہ۔۔۔ تم ہی آنکھوں سے اطراف میں دیکھا۔ آنکھیں پانی سے بھرے لگیں۔“ اے اللہ۔۔۔ میں

نے تیرے بندوں کا دل جانے کس طرح دکھا دیا۔ تیرے بندے ناراض۔۔۔ تو بھی ناراض مجھے موقع دے۔ ایک موقع ایک بار میں انہیں راضی کر لوں۔ اس ناراض خفا شخص کو راضی کر لوں تو بھی راضی ہو جائے گا۔ مجھے ہمت دے۔ حوصلہ دے۔“

”دیکھ لیجئے چار بج رہے ہیں مہارانی صاحبہ باہر نہیں آئیں اور آپ کہہ رہی ہیں کہ وہ بہت بدل گئی ہے۔ کیا رنگ ڈھنگ بدلے ہیں کون سا عباد تھا یہاں۔۔۔ جو کہ رعنا بھائی کا کھیلا لہجہ۔۔۔ اس کا دل کسی نے ٹھکی میں لے لیا۔

”کام کر دائیں اس سے چوہرا کھن نہ بنائیں۔ مگر ہے سمجھا لیا۔“

”وہ سمجھ جائے گی تم لوگ دیکھنا وہ بہت بدل گئی ہے۔ دراصل اسے عباد کے جانے کا پتا نہیں تھا اس لیے شاکہ ہو گئی۔“

”اوہ۔۔۔“ تینوں جھٹھانوں کی بے ساختہ بامعنی ہنسی۔ ”وہ اندر تک کٹنے لگی۔

”نوسو چوہے کھا کر ملی جگ کو چلی۔“ تہمرا نہ لہجہ۔

بے ساختہ پلٹ کر اپنے کمرے کی جانب بھاگی۔ آنسوؤں نے دھند بھیلادی۔ وہ تو معافی مانگنے جا رہی تھی مگر۔۔۔

”تم۔۔۔ ان سب سے اپنے ناروا سلوک کی معافی مانگ لیتا شایان معافی ایک ایسا عمل ہے جو دوسروں کے دلوں کو صاف کر دیتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو ان کے ماتھے کے تیور نہ بدلیں تو اپنی اطاعت و فرما برداری اور خدمت سے ان کے دل جیت لیتا۔ تم واپس جا رہی ہو، عباد تمہیں لینے آ رہا ہے۔ وہی تمہارا مستحکم گھر ہے تمہیں اب ادھر ہی اپنے پاؤں جمانے ہیں تو اپنی وفا شعار سی سے ان کے دل جیت لیتا۔“ آنی کے لہجے اور لفظوں کی بادشاہت اس کے اطراف بکھرنے لگی۔ ساری رات کی جاگی صبح کی بھوکی وہ اپنے منتشر حواسوں اور بے ربط راہیوں کو بحال کرتی رہی۔ پہلی گزرگاہ معافی تلائی کی بنائی تھی پہلا قدم اٹھا کر ان تک پہنچی تھی کہ بد حال وجود کے ساتھ واپس آ گئی۔

اس وقت اسے مضبوط سہارے کی ضرورت تھی مگر

جولائی 2007

سہارا..... بے ساختہ سائڈ ٹیبل پر رکھی عباد کی تصویر پر ہنس لگا۔ ٹھہری۔ سہارا تو اس کی عاقبت نا اندیشی سے آگے پھسل گیا۔ اب تو دکھوں اور اذیتوں کے لق و دق صحرائیں تنہا بے یار و مددگار کھڑی تھیں۔ ”اب تو آپ کے دل میں اک بار گھر بنانا ہے۔ از سر نو محبت کے عمل کی تعمیر کرنی ہے۔“ آنکھوں کے گوشے صاف کیے۔ ”میرے دل میں محبت سلامت ہے بلکہ اس کی شدت میں اور اضافہ ہوا ہے آپ کو پانا ہے۔“ آنکھیں جھلکا گئیں۔ ”زندگی کو نئے سرے سے یقین اور اعتبار کا پانی دینا ہے۔“ ہنسیکے مڑگاں خشک کیے۔ تصویر کی سطح پر اسر دگئی ہے ہاتھ پھیرا ”ان سب کو پانے کے لیے میری برداشت کے راستے سے گزرتا ہے۔ آئی کہتی ہیں اب تمہیں سر اٹھا کر نہیں سر جھکا کر چلنا ہے کیونکہ صراحی سر گوں ہو کر پھرا کرتی ہے پتاند۔“ دھیرے سے کھڑی ہوئی۔ ”بے حسی کی چادر اوڑھ کر دغا شعاری سے سر جھکا کر صبر و برداشت کے راستے سے گزرتا ہے۔ باہر میرے لیے کچھ نہیں اب..... سب گدھ ہیں بھوکے ننگے ہوں زدہ..... دولت پیسے کے بھوکے۔“ دھیرے سے دروازہ بجا۔ ملازمہ صفر اندر آ گئی۔

”بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں جی!“

”آئی ہوں۔“ خود کو سنبھالا..... اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ یہ حوصلہ کافی تھا زبیدہ رحمن کا ہاتھ اس کے سر پر تھا۔

”دیر تو گئی مگر زیادہ دیر نہیں۔“ آس اور امید کا دیا پکڑ لیا۔ سب لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رعنا بھائی نے منہ پھیر لیا۔ راجہ بھائی نے طنز سے دیکھا اور نندا بھائی ذومنی انداز میں انہیں۔ زبیدہ رحمن اسے دیکھ رہی تھیں۔

”آؤ بیٹا!“ وہ دھیرے سے چل کر ان کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ ایک نگاہ سب کے تنے ہوئے چہرے تکسے ابرو چٹپٹی ہوئی کمان اور کورفر سے ابھی گردنوں کو دیکھا۔ سب اس کے آنے سے اٹھنے کے لیے پرتولنے لگے۔

”میں آپ سب سے اپنے ناروا سلوک کی معافی مانگتی ہوں۔ بے شک میں نے تم کسی کی وجہ سے آپ سب کا دل دکھایا میں کوشش کروں گی کہ آئندہ آپ کو مجھ سے

شکایت نہ ہو۔“

”شکایت.....“ رعنا بھائی نے کورفر سے دیکھا۔ ”شکایت تو جب ہوگی تا جب ہم تم سے رابطہ نہیں گئے۔ خبردار جو مجھے پکارا بھی۔“ وہ غصے سے پھنکار رہی تھیں۔

”اونہہ شریف زادی آئی ہے بڑی بن کے۔“ رعنا بھائی انہیں اور باہر نکل گئیں۔ راجہ بھائی ان کے پیچھے تھیں۔ نندا بھائی رخ پھیر کر اس کی شکل دیکھ رہی تھیں کسی کو حالات حاضرہ کی باخبری کے لیے موجود رہنا تھا۔ سوہ تھیں۔ زبیدہ رحمن نے اس کی متورم پلکوں کی جھلکی ہوئی نگاہ کو دیکھا۔

”ای!“ رخ پھیر کر ہاتھ تھام لیا۔ امی آپ بھی مجھے معاف کر دیجیے گا میں نے آپ کی دل آزاری کی دل دکھایا اس کی ہی سزا ملی ہے۔“

”سزا..... کیسی سزا“ نندا بھائی چونک گئیں۔ زبیدہ رحمن نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما اور دھیرے سے اسے ساتھ لگا لیا۔ جانے کیسی محبت کیسی ہمدردی کیسا ترس شایان کے لیے ان کے دل میں اٹھ رہا تھا۔ بے شک اس نے برا کیا تھا۔ ان کا دل دکھایا تھا مگر اچھا بھی تو کر رہی تھی۔ بڑوں کو اپنے دل کی طرف بڑے رکھنے چاہئیں۔ بڑوں کی برائیاں ہی چھوٹوں کے لیے مشعل راہ ہوتی ہیں۔ ان کے سینے میں سٹ کر شدت سے بھل بھل کر کے رونے کی خواہش بہت ہوئی۔ بمشکل اپنی سسکیوں آنسوؤں پر کنٹرول کیا۔ ان سب کے درمیان رہنے کے لیے حال میں جینا تھا اور نہ عباد کے جانے نے اسے توڑ ڈالا تھا۔ نندا بھائی..... اونہہ کہہ کر طنزیہ نظروں سے دیکھتی باہر نکل گئیں۔

”یہ روئے یہ انداز تم برداشت کرنا بیٹا۔ سب دل کی اچھی ہیں۔ بس تھوڑا سا غصہ تھوڑی سی خشکی ہے۔ کچھ عرصے میں دور ہو جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ زبیدہ دھیرے دھیرے اس کا ہاتھ سہلا رہی تھیں اور وہ تو ویسے ہی آگئی اور ہم کے راستے سے گزر کر رہی گئی۔

”میں تمہاری بات کرواؤں گی عباد سے..... اور کان سمجھوں گی کہ تمہیں بتا کر کیوں نہیں گیا۔“ زبیدہ رحمن نے

اس کا دل بہلایا..... اور دل ایسی باتوں پر نہیں بہلتا..... جب بچ اور بزرگ نگاہیں سامنے ہوں۔ فون تیل پر انہوں نے ریسیور اٹھایا۔ شایان کی آئی کا فون تھا۔

”لو! بات کرو.....“ ریسیور اس کی جانب بڑھا دیا۔

”ہیلو! شایان کیسی ہو؟“ دوسری جانب آئی تھیں۔

”ٹھیک ہوں۔“

”اور عباد.....“

”جی سب.....“

”مجھے کل اس کا انداز اچھا نہیں لگا بہت قلمند تھی۔“

”سب ٹھیک ہے نا۔“

”جی!“

”شکر ہے اللہ کا! اب تم سنبھل کر رہنا۔ جیسا میں نے سمجھایا ہے۔“

”جی!“ وہ نہ رہی تھی۔

”خبردار جو پرانے دوستوں سے رابطہ بڑھایا۔“

”جی!“

”تمہارے پاپا کا فون آیا تھا آنے کا ارادہ کینسل ہو گیا ہے۔“

”پاپا.....!“ اس کا دل بھرا آیا۔ کوئی اس کا اپنا بھی تھا۔

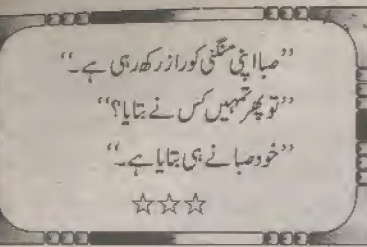
”آئی!“ اسے کیسے گا میں یاد کرتی ہوں۔ کبھی مجھے فون کر لیں۔“ آنکھوں کے گوشے تھپکنے لگے۔

”بیٹا کہہ کر“ مانگ کر محبت نہیں ہوتی۔ دل کے احساس سے محبت ہوتی ہے۔ شایان تمہارے باپ کو پیوں سے پیار ہے بس۔ تم چپ ہو تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا۔“

”جی.....!“

”اچھا خدا حافظ“ اس نے فون رکھ دیا۔ بمشکل مسکرا کر بھرائی ہوئی نگاہ ساس برڈالی..... نظر چرا کر وہ پاندان کھول رہی تھیں۔ ساری چٹپٹیں اس سے روشنی جا رہی تھیں معلوم نہیں ان محترم خاتون سے محبت کا رشتہ ہے یا اپنائیت کا۔ آنکھوں کے گوشے صاف کیے۔ جو خواہوا ہی بھگیتے جا رہے تھے اور دل درد بڑھا رہے تھے۔

☆☆☆



اس کی معافی کے باوجود ان کے تھکاک آمیز رویوں میں کوئی فرق نہیں آیا بات چیت تو درکنار اس کے ساتھ بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔ مریم پھوپھو سے بھی معافی مانگ لی۔ تاہم اسے دیکھتے ہی انہوں نے اس کے خوب لٹے لیے تھے۔ اچھی طرح سے ڈانٹ پھنکار کر اور دوسرے جھکا لے سکتی رہی۔

”تمہارا ہی حوصلہ ہے زبیدہ جو اس برائی کی پوٹ کو گھر لے آئیں میں ہوتی تو وہیں جلنے سڑنے کے لیے چھوڑتی اور بیٹے کا دوسرا بیاباہ رچائی۔ عباد اسے لاکر چلا کیوں گیا۔ کہیں تم نے زور تو نہیں ڈالا تھا.....“ شایان کو اندر تک کرٹ لگا۔

”اگر تم نے ڈالا بھی تھا تو بے فائدہ۔ تمہیں کیا فائدہ ہو گا جب کچھ عرصے بعد بھی اسے آکر چھوڑنا ہی ہے۔ تم اس کی دوسری شادی کر دیتیں!“

”آہ..... ہمارے خاندان میں کب دوسری شادی ہوئی ہے کسی کی۔ اللہ اس کا گھر بسائے رکھے۔ انسان خطا کا پتلا ضرور ہے پھر اپنے کیسے کا پاس بھی کر لیتا ہے۔“

”اونہہ!“

”معاف کر دیں آپابی جی ہے نا سمجھاں سر پر نہیں کون سمجھاتا..... اب عقل آئی ہے تو سب ٹھیک ہے۔“

محبت سے اسے دیکھا۔

”خاک ٹھیک ہے یا پھر ٹپٹ ہو گیا ہے۔“ آپا مریم نے پاندان اپنی جانب کھینچا۔

”تم جانو تمہارے گھر کا معاملہ ہے۔ برائے مہربانی اسے دوبارہ میرے گھر کی راہ مت دکھانا۔“ صاف کھرا بھجھا۔ وہ اندر تک شرمندہ تھی۔ رعنا بھائی طنزیہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھیں۔ مہربرداشت کا دامن اس نے

مضبوطی سے بکرا ہوتا تھا۔ اس آج کل میں ہی اس کی بھانجی۔
وہ خود پر حیران تھی۔ ذرا سی کسی کی بات برداشت نہ
کرنے والی کیسے ثابت قدم ہو گئی تھی۔ اس کے اندر اتنا
تحمل کیسے آیا نماز پڑھنے سے دین کی کتابیں پڑھنے
سے صحیح راہ کا تعین کرنے سے یا اس آج کل کے یہ درس دیا
جس نے اس کے وجود کو ہلاک کر رکھا تھا۔ سر جھکا کر
سارے قصور ان کی سزا سمیٹ رہی تھی..... کیوں! ناراض
دلوں کو مٹانے کے لیے روٹھے ساجن کو گھر بلانے کے
لیے اور کیا معلوم..... ساجن اس کا تھا بھی کہ نہیں۔ امی
نے کیوں عباد پر زور دے کر بلایا۔ کیا عباد کی بالکل مرضی
نہیں تھی کہ اسے بلاتا۔

کیوں! کیوں!.....؟ سوالوں کے آکٹوپس اسے
ہر لمحہ ہر آن جلائے رہتے۔ تنہائی، اسکیلے پن نے اس کے
اندر ایک نئی روشنی پھیلا دی تھی۔ علم و آگہی کی روشنی۔ اس
روز سترہویں پر بھی اسوہ حسنہ کا مطالعہ کر رہی تھی کہ آہستہ
پرچوگی۔ پیچھے زبیدہ رحمن تھیں۔

”کتابیں پڑھنا اچھی عادت ہے اس عادت کو
برقرار رکھنا چاہیے۔“
”جی! وہ اس کے پاس سے گزر کر لان میں رکھی
چیز پر جا کر بیٹھ گئیں۔ وہ بھی ان کے پیچھے اٹھ کر ان کے
ساتھ چلنے لگی تھی۔

”یہ ہمیں بعض اوقات وہ کچھ سکھا دیتی ہیں جو ہم
انسانوں سے نہیں سیکھ سکتے یا انسان ہمیں بتا سکتے۔
کتاب انسان کی بہت اچھی ساتھی ہے۔ ہمیں ان کی قدر
کرنا چاہیے۔“
”جی.....“

”کھانا کالیتی ہو؟“

”تھوڑا بہت آئی نے ابھی سکھایا ہے۔“ شرمندگی

سے سر جھکا یا۔

”کھانا پکانا مجھے بھی نہیں آتا تھا مگر میں نے صرف
عباد کے ابو کی وجہ سے سیکھا۔ انہیں اچھا کھانے کا شوق
تھا۔ انسان کھانا پکانا صرف دو طریقوں سے سیکھتا
ہے۔ شوق کی وجہ سے یا پھر شوہر کی وجہ سے۔“

”امی مجھے بھی اچھا کھانا پکانا سکھائیے گا۔“ معصوم

ماہنامہ پاکیزہ

سے بچے کی سی محسوسیت سے کہا۔

”ہاں ضرور..... میں تمہیں وہ تمام ڈشز سکھاؤں گی
جو عباد کو پسند ہیں۔“ وہ اندر تک کپکپا گئی۔

”جانتی ہو عباد کو کیا پسند ہے؟“ خفت سے سر اس
نے سر جھکایا۔ بھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی جب ہوش
آیا تو۔۔۔

”اے وہ سب پسند ہے جو اس کی ماں پکائے۔

فرمائش کر کے وہ گھر بیٹا اور فرانی قید بناتا ہے۔“ وہ سر
جھکائے سختی رہی۔ ماں بیٹے کی محبت سے مشروط باتیں۔
(کیا آپ میرے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھائیں گے)

”ارے میں نے نہیں ایک بات تو بتائی نہیں۔

اسلام آباد سے فنیلہ آ رہی ہے کل بچوں کے ساتھ۔ دل
چاہ رہا تھا اس کا آنے کو عباد کی شادی پر آئی تھی۔“ اس کا
دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کی مخالفت کا ایک اور
دوٹ..... رنگ زرد ہو گیا۔

”تم کسی بات کی فکر مت کرنا۔ زندگی اسی طرح کی

عبادتوں سے مزین ہے۔ اس کے سامنے زیادہ مت آتا۔

غمے کی تیز ضرورت ہے مگر دل کی بری نہیں۔“ نیکیت ہی اس

کی جانب جھک کر سلی آ میر انداز میں ہاتھ تمام کر سمجھایا۔

(یہ دل کا برا کیا ہوتا ہے انسان کے روئے لیے تباہی دے

ہیں کہ دوسرا انسان کیا سمجھتا ہے اور اخلاقیات کے کس درجے

پر ہے مگر..... مگر آج بھی سب پہلے والی شایان سمجھتے ہیں۔

بھگتی بے پروا، فیبت زردہ اور جھکڑالو۔ میرا دل بدل گیا

ہے کسی کو نظر نہیں آتا۔ میں بدل گئی ہوں کوئی دیکھتا

نہیں۔ روئے لیے خالص اور اخلاق کسی نے پہچانا نہیں

تو..... تو)

”انسان اپنی چپ کی نکل سے بھی دوسروں کے

دل جیت لیتا ہے۔ بیٹا، چپ تو اس کی ذات کا حصہ بنتی

جاری کی اس کی ذات کا عرفان یہ کتابیں..... غیر محسوس

انداز میں آنکھوں کے گوشے سمجھنے لگے۔ زبیدہ رحمن اسے

اور بھی بہت کچھ سمجھا رہی تھیں۔ قطرہ قطرہ آگہی دل کے

سمندر میں جمع ہوتی جا رہی تھی۔

بقیہ اگلے ماہ پر ہیں



دل کے رشتے

کرن نورین

”یہ میری بھانجی ہے۔ تین تو چند سال پہلے ہی ہو گئی
تھی اب چند ماہ پہلے میری بہن کا بھی انتقال ہو گیا۔ بس

میں چاہتی ہوں جلد اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔“

جیلہ خاتون نے لڑکے کی ماں سے کہا۔

”ٹھیک ہے بہن ہمیں تو لڑکی پسند ہے ہم باقی گھر

والوں سے مشورہ کر کے نوں کر دیں گے۔“ لڑکے کی ماں

اور بہن اٹھ گئیں۔

دوسرے دن ہی لڑکے والوں نے ہاں کہہ دی۔

فرخندہ کے والدین کا کافی رقم چھوڑ گئے تھے۔ جیلہ خاتون

نے خوش اسلوبی سے انتظام کر کے دو مہینے میں ہی فرخندہ

کو رخصت کر دیا۔

نئی جگہ بنایا ماحول تھا مگر فرخندہ نے اچھی تربیت کے



طاوٹ

اعتبار محبت

عالیہ حرا

آخری حصہ

کی عاقبت نا اندیشی اس کے وجود میں آگ لگا دیتی۔ وہ کیوں تھی ایسی۔ کیسے ہو گئی ایسی! اس کا دل دکھتا رہتا تھا جانے والے نے پلٹ کر پوچھا ہی نہیں تھا۔ ”تم کیسی ہو؟“

لاؤنج میں محفل آباد تھی۔ سب جمع تھے ابو اور امی اس رونق سے مسرور ہو رہے تھے۔ فضیلہ کے بچے ان کی گود میں چڑھے ہوئے تھے وہ اپنے کمرے میں سب آواز میں سن رہی تھی۔

اگلے دن فضیلہ آ گئی۔ گھر کی رونقوں میں اضافہ ہو گیا۔ شایان اپنے کمرے میں محصور ہو گئی۔ اب اس کا دل اپنے کمرے میں بے حد گھبراتا تھا۔ یوں لگتا یہ چار دیواری اس پر کر کے اس کے تمام بدلوں کا حساب چکائے گی۔ اس کا دم گھٹتا رات کا بیشتر حصہ وہ لان میں ٹھیلے ہوئے گزارتی تھی۔ بیڑیوں پر بیٹھ کر سویتے ہوئے صبح کر دیتی تھی۔ بیڈ اسے کانوں کی تپ گئی۔ عباد کا لہجہ اس کے قہقہے اس کی باتیں اس کی محبت بھری سرگوشیاں اور..... خود اس

ماہنامہ پاکیزہ

اگست 2007ء

تھیں، محبتیں، زندگی کے رنگ..... اپنائیت کے رنگ۔ ایک اس کی ذات... جس سے جینے کا ڈھنگ بھی چھین لیا جاتے تھے۔

”عباد بھی ہوتا تو مزہ آ جانا جانے پھر میرا کب آنا ہو؟“ فضیلہ کی آواز بلند تھی۔

”تو بیٹا وہ تو روزگار کے سلسلے میں باہر ہے تم اس کی بیوی سے رابطہ بڑھاؤ۔“ ابو کی آواز تھی۔

”جی کیا..... کیا۔ اس کی بیوی۔ ابھی اس گھر میں موجود ہے۔“ تحیر بھر انداز۔

”جی اور بھر پور طریقے سے موجود ہیں حالانکہ کوئی جواز بنتا تو نہیں ہے۔ یہاں موجودگی کا امی جانے کیوں زبردستی کی بلا لے آئی ہیں۔ عباد تو طلاق دے رہا تھا۔“ یہ رعنا بھابی کی آواز تھی۔ اس کا خون رگوں میں جھنے لگا۔

”امی کیا ضرورت تھی اس پر یہ احسان کرنے کی جب عباد چاہتا نہیں تھا جانتی ہیں خاندان میں پہلے ہی کتنی تھوٹھو ہو رہی تھی۔“ فضیلہ کی آواز خاصی بلند تھی۔ آنسو وجود کی زمین کو بھگونے لگے۔ ”کیوں آپ اسے لے کر آئیں کیا فائدہ ہے آپ کا؟“

”فضیلہ کیوں بھول رہی ہو کہ وہ اس گھر کی بہو ہے۔“

”بہو کہلانے کے بھی لائق نہیں ہے وہ۔ عادتیں اور خصلتیں بھی بدلتی ہیں کبھی۔ آپ نے اس پر اعتبار کیسے کر لیا؟“

”عباد کی ناپسندیدگی کے باوجود اسے کسی بات کا خوف تھا نہ پروا۔“ فضیلہ استحقاق سے بولتی جا رہی تھیں۔

”اُف! اتنی ناپسندیدہ ہے وہ۔ اس گھر کے لوگوں کی نظر میں۔“

”حیرت ہو رہی ہے مجھے آپ کو فیصلہ کروا دینا چاہیے تھا کوئی اور اچھی خاندانی لڑکی لے آئیں اس کے لئے انسان ٹھوکر کھا کر ہی سنبھلتا ہے۔“ ساری آوازیں سنتی شایان نے سسکیوں کو روکنے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

”انسان بے شک ٹھوکر کھا کر سنبھلتا ہے۔ وہ بھی سنبھل گئی ہے گڑھے میں گرنے سے پہلے پھر..... پھر یہ لوگ کیوں اسے قبول نہیں کر رہے تھے۔ بندے خدا نہیں

ہوتے جو اپنے بندوں کا بڑے سے بڑا گناہ ایک طرف مذمت کی اک بوند چچی آنسوؤں کی خاطر مغاف کر دیتا ہے۔“

”میں عباد کو اچھی طرح جانتی ہوں اس نے اسے نہیں بسانا۔ آپ نے ناحق اتنا بڑا فیصلہ کیا۔“ کیسا یقین تھا اس کے لہجے میں۔

”بس کرو فضیلہ معاف کر دینے میں انسان کی بڑائی ہے۔ وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہے۔“

”ہماری تو خاندان میں عزت ہو گئی نا..... تائی کے گھر چلے جاؤ۔ تمہاری بھانجی ایسی۔ پھپھو کے گھر چلے جاؤ۔ کیا دیکھا تھا تم لوگوں نے شایان میں۔ اُف میں نے تو وہاں جانا چھوڑ دیا۔“

”یا اللہ.....“ اس نے سر دیوار سے ٹکرایا، اس جرم کی سزا کب تک بھگتنی ہوگی۔“

”کام و ام کرواتی ہیں یا مہارانی بنا کر رکھا ہے۔“ ایک اور دروازہ!

”نہیں، کام کرنے کے لیے ہم جو ہیں۔“ راحہ

بھابی کی آواز پر اس نے گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔ ایسے طعنے تشنہ باتوں باتوں میں بہ آواز بلند کر رہی تھیں اور وہ سن رہی تھی۔ اسے کوئی در..... کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کیا کرے کیا نہ کرے۔ رات کو وہ عشا کی نماز پڑھ کر تسبیح پڑھنے کے باوجود قرآن پاک کھولنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ دروازہ کھول کر فضیلہ اندر آ گئی شایان سمٹ کر رہ گئی۔

”اوہ!“ اہانت آمیز انداز تھا۔ ”صوم صلوٰۃ کی پابند۔ کیا تہجد گزار بھی ہو۔“ چہرے کے گرد پلٹا دوپٹا۔ بیگ

بھیگا چہرہ۔ ”نوسو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی۔“ سینے پر ہاتھ باندھے کینہ تو زنگاہوں سے دیکھتی کھا جانے کو تیار۔

”میں چلتے چالاک، گھنی، میسنی۔ یہی کہا تھا تم نے صالحہ سے (صالحہ مریم پھپھو کی بیٹی تھی)۔“

”کہاں ولید اور کہاں فضیلہ بے جوڑ شادی ہے جانے کیسے پھانس لیا۔“ شایان کا سر جھک گیا۔ یہ سب اس نے کہا تھا جانے کیوں کہا تھا بے سوچے سمجھے۔

”تم ولید کو درغلانی تھیں کہ کیا دیکھ لیا تھا فضیلہ میں آپ نے۔ وہ تو ولید کانوں کے کچے نہیں تھے۔ اس لیے

”عباد!“ شب کے سناٹوں میں اس نے سانس
نیبل پر رکھی تصویر کو دیکھتے ہوئے آنکھوں کے گوشوں کو
صاف کیا مگر آنسو تھکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔
”آپ کے لئے صرف آپ کے لئے میں نے
آج فضیلت کی اتنی سخت باتیں برداشت کی ہیں۔ مجھے آپ
تک لوٹنا ہے۔ آپ کا اعتماد اعتبار قائم کرنا ہے اور محبت کا
ٹوٹا ہوا گھر پھر سے آباد کرنا ہے۔ آپ سے معافی مانگنی
ہے۔ ذاتی میں غلطی مگر اب تو سچ ہوگئی ہوں۔ آپ مجھے
معاف کر دیں گے نا نفرت کے بادلوں کو سمیٹ کر.....
ورنہ..... ورنہ.....“ گھٹنوں پر سر رکھ دے پھوٹ پھوٹ کر
رودی۔ اب رونا ہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

فضیلہ جب تک بھی اس نے سانس نہ آنے کا ارادہ
کیا تھا مگر وہ کہیں نہ کہیں سے آکر اس پر حملہ کر دیتی اور
بے نقطہ سنا ڈالتی۔

رعنا بھابی کہیں بھی ہوں اس پر نگاہ پڑتے ہی ان
کے تاثرات عجیب سے ہو جاتے۔ ایسے میں زبیدہ رحمن کی
ذات اس کے لیے ڈھال اور محفوظ پناہ گاہ تھی۔ کہنے کو وہ
اس کی ساس تھیں مگر ماں جیسی تھیں۔

انہیں اس کا خیال تھا۔ دنیا سے زالی ساس تھیں۔
ورنہ ملکہ اور غزل نے تو ساسوں کے ایسے ایسے نقشے کھینچ
رکھے تھے کہ وہ کانوں کو ہاتھ لگا لیتی تھی۔۔۔ ان کی وجہ سے
ہی وہ الگ گھر کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مگر آج جب وہ انہیں
اپنے ساتھ ساتھ محبت دیتے ہوئے حفاظت کرتے ہوئے دیکھ
رہی تھی تو وہ اپنی تمام گزشتہ حرکتوں پر نادم، شرمندہ تھی۔
بے شک وہ غلط تھی۔ دل ہی دل میں وہ اعتراف کرتی تھی
اور اسے غلط ہونا ہی تھا۔ جب ارد گرد ماں باپ، دادا
دادی، نانائیاں یا کوئی اور بڑا مقدس رشتہ نہ ہو۔ آگئی دینے
والے لوگ نہ ہوں۔ بے تحاشا دولت، خرچ کرنے کی
آزادی اور غلط قسم کے دوستوں کا ساتھ اور بے تحاشا
آزادی ہو تو اسی طرح سے غلط راہ کا تعین ہوتا ہے جو بہتر
ہی لگتی ہے۔ کسی کو خاطر میں نہ لانا، بے عزت کرنا، قول و
فعل میں تضاد اور دوسروں کی ہتک کرنا۔ آئی سارہ بہت
اچھی تھیں مگر اس نے ذمہ اور فخر میں مبتلا ہو کر انہیں زور و اخترا
جانا ہی نہیں تھا۔ ویسے بھی انسان کی سرشت میں ہے۔ وہ

ٹھوکر کھا کر سنبھلتا ہے اور خدا جسے چاہے آگئی دے۔
اس کا کعبہ درست ہو گیا تھا۔ وہ کھائی میں گرے سے بچ
گئی تھی۔

من کے میت کو منانا تھا۔ سر جھکا کر عاجزی و
انکساری سے پور پور اس کے عشق میں مبتلا۔ وہ خدا کے
حضور مجدد رہے۔۔۔ رہتی تھی۔

اسے بہتر اخلاق، خدمت اور وفا شعار سے مگر
والوں کے دل جیسے تھے جو اسے گزرے وقت کے آنچے
میں دیکھتے۔۔۔ بلکہ دیکھتے رہتے تھے۔
☆☆☆☆

”دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ پہلی فلائٹ سے
واپس آؤ۔“ حنفیہ چہرے کے ساتھ ریسور پکڑے ہوئے
زبیدہ رحمن غصہ ہوئیں۔ عباد کا فون آیا ہوا تھا۔ سب سے
بات کی تھی اس نے۔

”دماغ میرا بالکل ٹھیک ہے۔ امی عرب بہت اچھی
لڑکی ہے اس بار بھی میں اپنی مرضی کر رہا ہوں۔ مگر میری
مجبوری ہے۔ کل شام کو نکاح ہے اور اب میرا پاس
آنے کا کافی احوال کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ہماری فرم نے اصرار
ہی ایک اور فرم بنالی ہے۔ مجھے اب ادھر رہنا ہے۔“

”عباد.....!“ ان کا لہجہ جھنجھکیا۔

”میں جانتا ہوں آپ ناراض ہوں گی۔ مجھے
معاف کر دیں۔ عروہ بہت مجبور اور بے بس ہے۔ اسے
یہاں فی الفور سہارے کی ضرورت ہے۔“

”عباد تم کس کس کو سہارا دو گے۔ اسے کسی رفاہی
ادارے کے حوالے کر دو۔۔۔ یہاں تمہارے خنجر سہارے
بلکتے کتنے لوگ ہیں خود تمہاری بیوی۔“

”اونہ۔۔۔“ حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ ”میں نے
آپ سے پہلے ہی کہا تھا اس کی میری زندگی میں کوئی
اہمیت نہیں۔۔۔ میں نے آپ کے کہنے پر اسے نہیں چھوڑا۔
آپ ہی اسے سنبھالیں۔“ اس کا دل شایان کی جانب سے
پتھر ہو گیا تھا۔

”میری زندگی میں اس کی کوئی اہمیت نہیں
ہے۔ میں آپ کو دوبارہ فون کر کے عروہ کے بارے میں
بتاؤں گا۔“

”مجھے کچھ نہیں سننا۔“ انہیں بہت غصہ آ رہا تھا۔
 ”پلیز امی، کوئی بد دعا مت دیجئے گا۔ میں پہلے

”جہیں میری دعا کی ضرورت ہے نہ پردا..... جو دل چاہے کرو، تم نے بھی میری سنی ہے اور نہ بھی سنو گے اور.....“ لائن کٹ گئی۔ سب ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”کیا ہوا؟“ رحمن صاحب ان کی طرف متوجہ تھے۔
 ”امی آپ اتنے غصے میں کیوں ہیں کیا ہوا۔ عباد تو ٹھیک ہے نا۔“ قالین پر بیٹھی اپنے بیٹے کو کھلاتی فیصلہ نے چونک کر ماں کو دیکھا۔

رعنا بغور سراس کو دیکھتی کہانی معلوم کرنا چاہ رہی تھی۔ وقت کی بساط پر عباد شاید کوئی اور کہانی لکھ رہا تھا۔ وہ کہانی کیا تھی۔ وہ تو عباد سے رابطہ کرنا چاہ رہی تھی کہ فار یہ کے متعلق فائل کریں۔

مگر.....! انہوں نے امی کے اترے چہرے کو دیکھا۔ اس وقت شایان چائے کی ٹرے تھاے اندر آ گئی۔

زبیدہ رحمن اسے دیکھتی رہ گئیں۔ سر جھکائے خاموشی سے اس نے کپ سرد کئے اور باہر نکل گئی۔
 اس گھر کے لوگوں نے اب اسے ملازمہ بنا ڈالا تھا۔ کل وقتی ملازمہ جب سے بیماری کی وجہ سے طویل چھٹی پر گئی تھی۔ اس کی جگہ شایان نے لے لی تھی بلکہ رعنا، راحہ اور نور نے متحمل کر دی تھی۔ ان کے سینے میں خندا سانس ایک لگ گیا۔ ”کیسی بد نصیب بچی ہے۔“

”امی بتائیے نا کیا ہوا.....“ اویس اور فہد بھی ان کی جانب متوجہ تھے۔

”عباد شادی کر رہا ہے۔“ چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔

”ہیں! کیا.....! اچھا۔ کمال ہو گیا۔ اس میں اتنی اندر دگی کی کیا بات ہے..... اچھا ہوا امی اس نے اپنا گھر بسالیا۔“ یہ اس کے اٹن تھی اور نہ ہے۔ جسے آپ نے زبردستی سر پر مسلط کر لیا ہے۔“ فیصلہ نے ناک سکڑ کر کہا۔

”نکال باہر کریں اسے“ ایک نیا مشورہ دیا۔
 ”امی کو ہی شوق ہے بیکار لوگوں کو پناہ دینے کا۔“ رعنا کیوں پیچھے رہیں۔

”بیکار کیوں! اتنے کام کی ہے بچ میرے دونوں بچوں کو سنبھالتی ہے۔ میرے جیسے کا بچن کا کام کرتی ہے۔ مفت کی ملازمہ.....“ راحہ ہنسی۔ زبیدہ رحمن کو بے حد دکھ ہوا۔

”یہ سب لوگ کس درجہ اخلاقی گراؤ میں مبتلا ہیں کوئی رشتہ نہ دیں مگر بحیثیت انسان تو اہمیت دے سکتے ہیں۔ ان کا دل مزید برا ہوا۔ اپنا کپ ایسے ہی چھوڑ کر انہیں اور باہر نکل گئیں۔ رحمن صاحب نے کپ ہونٹوں سے لگالیا۔

”اب آپ امی کو سمجھائیں، کتنا غلط کر رہی ہیں جب عباد اس رشتے کو ختم کرنا چاہتا ہے تو امی بضد ہیں کہ یہ رشتہ قائم رہنا چاہیے حالانکہ..... نا اہل ہے وہ.....“
 ”خواتن وہ رکھنے کا جواز ہے یہاں.....“ رعنا کا لمس چلتا تو لہجہ رحمن میں چلتا کر دیتیں۔

”میرے خیال میں اس رشتے نے ٹوٹنا ہوتا تو اسی پل ٹوٹ جاتا جب اس کی شروعات ہوئی تھیں۔ اب تو شایان بھی بہت بدل گئی ہے۔ عباد کو اس کے متعلق سوچنا چاہیے تھا اک نیا قصبہ! ان کا لہجہ سوچنا ہوتا تھا۔“
 ”تو آپ اب ختم کر دیاں.....“ فیصلہ کی ناگواری برقرار تھی۔ وہ بھی..... عباد کی آس لگائے بیٹھی تھی مگر.....
 ”اب مشکل ہے تمہاری ماں نہیں چاہتی۔“ رحمن صاحب بولے۔

”امی تو بس نا.....!“ رعنا اور راحہ ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر رہ گئیں رعنا کا انداز ذومعنی تھا۔

☆☆☆

زبیدہ رحمن بہت ملول واداس تھیں۔ عباد کے فون نے انہیں بے حد دکھ دیا تھا۔ انہیں شایان پر ترس آ رہا تھا۔ کس لئے بھی وہ یہاں..... اسے عباد کا انتظار تھا۔ وہ آئے گا اور دوبارہ سے نئی زندگی شروع ہوگی۔ مگر..... اس نے کیا، کیا..... کیا واقعی عباد کے دل میں شایان کے لئے جگہ نہیں..... تو پھر وہ کیوں.....! کیوں اسے بسانا چاہ رہی

بھتی ہے عباد تک پہنچنے کا میں کیسے اسے دھکا دے دوں۔“ زبیدہ رحمٰن بے بسی سے بولیں۔

”تم بہو کو بہور بنے دو بیٹی، بیٹی ہی ہوتی ہے۔“

”رحمن صاحب!“ انہیں بہت دکھ ہوا۔

”بہو جب بیٹی بن جائے تو ساس کو بھی ماں بن جانا

چاہیے۔ وہ بن ماں کی بیٹی، باپ بہت دور۔ دوسری

شادی کر کے اپنے دوسرے بچوں میں خوش۔ پھر اس کی

تر بیت تو ایسی ہی ہوئی تھی نا۔ اب جب اس نے خود کو بہتر

اور اچھا کر لیا ہے تو میں کیسے اسے دھکادوں۔“ ان کی

آنکھیں برسے لگیں۔ وہ فطرتاً رحم دل خاتون تھیں۔

تاسف و ملال سے بیگم کو دیکھا۔ عباد پر سخت غصہ آ رہا تھا۔

مگر بستر پر لیٹ کر تکبیر منہ پر رکھ لیا۔

”تم جانو اور تمہارے بر خوردار۔۔۔۔۔“ وہ اک بار پھر

گہرے رنج و الم میں ڈوبے لگیں۔

☆☆☆

ولید کی ایمر جنسی کال پر فضیلہ نے رخصت سفر

باندھا۔ حالانکہ اس کے بچے کو سخت بخار تھا اور وہ ابھی رہنا

چاہتی تھی۔ جب تک شایان کو اس کے گھر نہ بھیج دیتی۔۔۔۔۔

مگر۔۔۔۔۔ خدا اس کے ساتھ تھا۔

شایان نے آہستہ آہستہ بچن اور گھر کے بہت سے

کام اپنے ذمے لے لئے۔ وہ آہستہ آہستہ بھتی بھتی جارہی

تھی۔ زبیدہ رحمٰن نے بہت کچھ سکھایا تھا۔ ان کے تو

سارے کام ہی وہ خود سے کرتی تھی۔ خاموشی سے

سر جھکائے کچھ بھی کہے بغیر۔۔۔۔۔ وہ اکثر بے یقینی سے دیکھے

جائیں اور اسے پروا بھی نہیں ہوتی۔

کتنا عرصہ ہو گیا تھا اسے گھر گئے وہاں تھا ہی

کون۔۔۔۔۔ آنی کا فون آ جاتا فون پر ہی اسے بہت کچھ

سمجھا دیتیں تھیں اور اب وہ ملاچوں و چہان کی باتیں سنتی

اور گرہ میں باندھ لیتی پھر اس پر عمل کرتی۔ بہتر سے

بہترین زندگی کی جانب اس کے قدم رواں تھے۔

اسے رات کو نیند نہیں آتی تھی۔ کروٹیں بدلنے سے

بہتر تھا کہ وہ کتاب پڑھ لیتی ان کتابوں نے اس کے

اخلاق کو سنوارا تھا، اسے برے بھلے کی میز دی تھی اور

اچھائی و برائی کا فرق سمجھایا تھا۔ انسان برا نہیں ہوتا

جس۔۔۔۔۔ فون پر ہمیشہ اسے بتایا تھا شایان کے متعلق ”بہت

بدل گئی ہے وہ۔ بالکل نئی لڑکی۔ اس کا علم، لباس، اخلاق

عام بول چال،۔۔۔۔۔ غرور والی کیفیت ختم ہو گئی ہے۔

خاموش رہتی ہے۔ نماز کی پابند ہے۔ تمام اخلاقی برائیوں

سے میرا۔۔۔۔۔ تم آ جاؤ بیٹا تمہیں اس سے کوئی شکایت نہیں

ہوگی۔“ ان سب باتوں کے جواب میں اس کا ایک جواب

تھا۔

”امی میرا دل نہیں مانتا اب۔۔۔۔۔“

”تم۔۔۔۔۔ آ تو جاؤ نا۔۔۔۔۔ اک بار اپنے دل کو راضی تو

کرد۔“

”اچھا ٹھیک ہے۔“ وہ ٹال جاتا اور ہمیشہ مالتا ہی

رہتا۔ پھر کہنے لگا سوچ کر جواب دوں گا۔

”یہ کیسا سوچا۔۔۔۔۔ کیا سوچا۔۔۔۔۔ اس نے۔“ زبیدہ

رحمن کی آنکھیں بھٹکنے لگیں ان کے اعلیٰ و ارفع شریف

خاندان میں پوند لگنے لگا تھا۔ دوسری شادی کا۔۔۔۔۔ طلاق

کا۔۔۔۔۔ ظاہری بات تھی اب وہ کیونکر اسے رکھیں۔ ان کی تو

تمام کوششیں ہی بے سود ہیں۔ ہونی ہو کر رہتی ہے۔

”تم کیوں اپنے دل پر لے رہی ہو۔ اس کی زندگی

ہے جینے دو۔“ وہ اپنی سوچوں میں گم تھیں رحمٰن صاحب

کے آنے کی آہٹ محسوس نہیں ہوگی۔

”کیسے جینے دوں، کیا اس کی زندگی پر میرا کوئی حق

نہیں ہمیشہ وہ خود غرض بن جاتا ہے۔“ ان کا لہجہ آبدیدہ

تھا۔

”خود غرض لوگوں کی غرض بھی پھر اسی طرح سے

پوری ہوتی ہے۔“ انہوں نے اپنی جگہ سنبھالی۔

”آپ کچھ نہیں بولتے، کیوں نہیں سمجھاتے۔ میری

نہیں آپ کی تو مان ہی لے گا۔“ زبیدہ رحمٰن نے گلہ

آ میری سے انہیں دیکھا۔

”وہ میری بھی نہیں مانے گا اسے خود پر بھروسہ ہے۔

تم بکان مت کرو خود کی میں اس سے بات کروں گا۔“ رحمٰن

صاحب بولے۔

”کیسے نہ بکان کروں۔۔۔۔۔ شایان مجھے اب پل

یادیں بری ہوتی ہیں۔ اس نے جن جن کراچی اخلاقی
گروہ والی عادات کو ختم کر دیا تھا خدا نے اس کا ہاتھ
قائم کیا تھا۔

اس کی خاموشی، گریز اور چلنے پھرنے میں پاکیزگی
پھیلنے لگی تھی۔ اسے دکھ دیتے ہوئے اب زبیدہ رحمن کا
درد ہلکان ہونے لگتا۔ وہ رو رو کر دعا کرتیں۔
”میرے رب عباد کو بھٹکنے سے بچائے اسے فلاح کا
راستہ دکھا دے۔“ مگر کبھی کبھی دعائیں جی بے اثر ہو جاتی
جیں۔

عباد کا فون آیا۔ وہ اسی لڑکی کو شادی کر کے گھر لے
آیا تھا۔ اس روز زبیدہ رحمن بہت روئی تھیں۔ ان کے
چاندان کو گرہن لگ گیا تھا۔

”سنو، تمہیں کچھ پتا ہے؟“

شایان جو ڈاننگ نیبل پر بیٹھی پیاز کاٹ رہی تھی۔
متحرک ہاتھ رک گئے۔ رعنا بھابی نے اسے متوجہ کیا تھا وہ
اس سے مخولام تھیں۔ تو..... تو..... بے اختیار سراٹھایا۔ عجیب
مالچہ، چہرے پر طنز یہ مسکراہٹ..... ”عباد نے دوسری
شادی کر لی ہے۔“ ہم بلاسٹ کیا۔

”کیا.....“ اس کی دھڑکن تیز ہوئی اور چھری ہاتھ
سے گر گئی۔

”اب کس لئے یہاں رہو گی۔ یہ تبدیلی، یہ
خاموشی، یہ بہروپ، کس لئے کاٹھ کا الو تو گیا۔“ اس کا
ذائقہ اڑا ہوا..... اس کے سامنے چیئر پر بیٹھ گئیں۔

”کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کون سے گناہ کون سی
غلطی کو چھپانے کے لئے تم یہاں آئی ہو..... تمہارا یہاں
کیا کام ہے۔ جس کے ناتے تم یہاں ہو وہ تو تمہیں
فہموں کی دھول بنا گیا.....“ اس کے ساکن وجود سے بے
پناہ وہ اسے کچھ کے لگا رہی تھیں۔

”خواب اگر میرے پورے نہیں ہوئے تو بے اماں
تم بھی ہو گئی ہو۔ کسی کفارے کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہے۔“
دوبل رہی تھیں اور بھی کچھ بلکہ بہت کچھ..... مگر وہ سن کب
دیتی تھی۔ اس کے احساسات ساکن ہو گئے تھے۔

”عباد نے شادی کر لی۔ اس کی پروا نہیں کی۔ اس
کے حقائق نہیں سوچا۔ اسے معاف نہیں کیا۔ اسے.....

اسے۔“ اس کا دل بھر آیا اور..... اک دم سے احساس
زیبا پر پھوٹ پھوٹ کر رونے کی خواہش جاگی..... اس
کی آنکھوں کے سوتے خشک تھے۔ آنکھیں دیران اور دل
کی راہ گزر پر دور تک سناٹا اور خاموشی چلتی چلی گئی۔ اس
احساس نے اسے جھجھکا کر دیا تھا۔

آس و امید کے دیئے بجھ گئے۔ یقین کے پھول
ہاتھوں سے پھسل گئے جو وہ آنے والے کے لئے جمع کرتی
جاری تھی۔ ”ناراض سہی خفا سہی آنا تو یہاں ہی ہے نا۔
منالے گی۔ مگر.....“ پتھیلیاں پھیلائیں۔ خالی ہاتھ تھی
وہ.....

وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ خوشی و
سرت کے رنگ چھپکے ہوئے چلے گئے۔ حزن و دکھ کے
بادل مٹ چکے۔ دھیرے سے کارپٹ پر گر گئی۔ سامنے ہی
اس کا بیک پڑا تھا۔ سرخ، سبز اور چہرے کا دھانی سوٹ
ابھی تک بند تھا۔ اس کے آنے پر پہننا تھا۔ اس کا گفٹ
دینا تھا۔ اسے منانا تھا۔ چاہت کے گھر وندے آباد کرنے
تھے..... مگر..... وہ خالی..... ہو رہی تھی۔
”اس نے شادی کر لی۔ دوسری شادی۔“ گھٹنوں
پر سر رکھ لیا۔

”اچھا ہوا کر لی میں اس کے قابل ہی نہیں
تھی۔ کہاں وہ..... کہاں میں.....!“ اسے لگا وہ مر رہی
ہے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے..... مگر اس کی
آنکھیں خشک تھیں۔

دکھ کی جس منزل پر وہ تھی اس کا کوئی نام نہیں تھا۔
دکھ کی اذیت تھی ہے اور اس کے بے رحم خوبی نچے..... اور
اس کا نرم و نازک وجود..... بیٹھے بیٹھے تھک گئی تو وہیں
زمین پر سکر کر لیٹ گئی۔

”لعنت ہے میری زندگی پر.....“ دھیرے سے
آنکھیں بند ہو گئیں..... ”لعنت ہے میری زندگی پر.....“
اس کی.....
وقت کی گردش گویا رک گئی..... دھڑکنیں بھی رک
گئیں۔ آس و امید کے دیئے بھی بجھ گئے۔

☆☆☆

اک گہری خاموشی نے اسے اپنے حصار میں لے

کھلونا جب ہاتھوں سے پھسل جائے تو دل نہیں سناتے.....

”میں سارہ کون کروں؟“

”جیسے!“ شایان نے انکار میں سر ہلایا۔ ”وہ آج کل اپنے آبائی شہر گئی ہوئی ہیں۔“

”تمہارے ابو.....“ زبیدہ رحمن نے پوچھا۔

”پہلے ارادہ تھا آنے کا اب ان کے بچوں کی تعلیم کا مسئلہ ہے۔ اے لیول اور اد لیول مکمل کر لیں پھر آئیں گے۔ گھر میں تالا لگا ہے۔“

”شایان.....“ زبیدہ رحمن دھیرے سے انھیں۔

کسی قدر اکیلی، تنہا، ویران ہے۔ لڑکی شوہر کی خاطر میکا چھوڑتی ہے۔ شوہر اچھا ہو تو سب بھول جاتی ہے۔ شوہر تنہا کر دے۔ سکے میں سسرال کے دکھ سینے والا کوئی نہ ہو۔

تو..... تو زندگی کیسی ہوتی ہے۔ اس کا دکھ دل پر محسوس کر رہی تھیں۔

”اگر جاو تو نئی زندگی شروع کر لو۔“

”نئی زندگی!.....“ شایان نے اچھٹے کے سے انداز میں دیکھا۔ ”نئی زندگی.....“ مجھے اس زندگی میں ہی رہنے دیں۔ مجھے نئی زندگی میں نہیں آئی۔ درد کا اپنا ہی لطف ہے۔ میں اک ایسی لڑکی تھی جس نے نئی زندگی شروع کی تو سب کچھ بھول گئی۔ اب کون سی نئی زندگی ہوگی۔ کیا دیا ہے مجھے اس نئی زندگی نے۔ میں اب ادھر ہی ٹھیک ہوں۔“

اس کے ہاتھ حرکت کرنے لگے۔

”امی کہیں رہنے کے لئے کوئی واسطہ کوئی حوالہ ہوتا ہے جب رکھنے والا ہی کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتا.....“ اندر آئی راحہ بھابی نے تنکھے چتون سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ شایان نے سر جھکا لیا۔

”میں تو ضابطے اور رابطے رکھنا چاہتی ہوں تا اب مجھے بیرونی دنیا سے کوئی سردکار نہیں۔ مجھے وہاں سے کچھ نہیں لیتا۔ اب تو باقی ماندہ زندگی عزت سے جیتی ہے۔“

”چپ مسئلے کا حل نہیں امی آپ ہی کوئی فیصلہ کرائیں۔“ زبیدہ رحمن راحہ کی شکل دیکھنے لگیں۔

”زبردستی کے بندھن ٹوٹ ہی جا میں تو اچھا ہے۔ ویسے بھی انسان جو بوٹا ہے وہی تو کاٹا ہے۔“ زبیدہ رحمن

لہا۔ وہ اندھی، بہری، گونگی ہو گئی، اپنے کلمے جاتی، کوئی اس کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے۔ کسی کی سی اور ٹیلی نگاہ سے دیکھ رہا ہے۔ عقارت و اہانت بھرے انداز سے مطالب ہے یہ احساس ہی سوہان روح بن گیا تھا۔ اب حقیقت میں وہ اس بھری دنیا میں فنا ہو گئی۔ اس کی اچھائی بھی کام نہیں آئی۔..... لان کی پچھلی جانب بنی سڑکیوں پر بیٹھی رہتی۔ سوچوں کے ازدحام اس کے گرد چکراتے رہتے۔

”وہ کیوں یہاں ہے اب۔ کس کے لئے ہے جس کے لئے تھی وہ۔ تو.....“ آنکھیں بھیگ بھیگ جاتیں۔

آنسو ساکت ہو گئے تھے۔ ”اب تو جب تک اس گھر کے کینن نکال باہر نہیں کریں گے جب تک جگہ نہیں چھوڑتی۔“

زندہ رہنے کے لئے کھاتی تھی۔ طہارت دیا کیزگی کے لئے لباس بدلتی تھی۔ کام اور نماز زندگی کے سماجی بن گئے۔ رعنا بھابی راعونت بھرے لہجے میں کہتیں۔

”میں جاری ہوں یہ کر لینا میری طبیعت خراب ہے یہ دیکھ لیتا۔“ راحہ بھابی نے دس کام اس کے سپرد کر دیے تو خدا کیوں پیچھے رہتی۔ کئی دتے داریاں اس کے سر ڈال دیں۔ رہنا تھا، نمک کھانا تھا تو حق ادا بھی کرنا تھا۔

آلی کا فون آیا۔ اس نے سب ٹھیک ہے کا سٹنل دے دیا۔ کیا بتاتی، کس لئے بتاتی، بتانے سے کیا ہو جاتا۔

”شایان اپنے گھر چلی جاؤ۔“ آج زبیدہ رحمن کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ شایان ان کے پیروے دبانے بیٹھ گئی۔ اس سے پہلے انہیں دلہ بٹا کر دیا۔ رحمن صاحب آج کل گاؤں گئے ہوئے تھے۔ زمین اور فصلوں کے حساب کتاب دیکھنے۔ دھیرے دھیرے دباتے اس کے ہاتھ رک گئے۔ اک نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔

”میں نے عباد کو بہت سمجھایا۔ مگر.....“ زبیدہ رحمن نے گہرا سانس لیا۔

سر جھکا لیا ہاتھ پھر چلنے لگے۔ ”کچھ عرصے کے لئے دل بھل جائے گا۔“

”دل!“ اس کے ہاتھ رکے۔ ”دل نے تو اب پہلنا ہی نہیں ہے ہزار تادلیس دیں یا اکھ بہلاوے، من پسند

ہاتھ پکڑو

نے نظر بھر کر شایان کو دیکھا۔ دکھ کی شدید لہر نے انہیں
بھجودیا۔

اس نے جو بویا تھا اس کی فصل کاٹ لی۔ اب کب
نئی کاٹی رہے گی یہ لوگ..... یہ سب لوگ..... اب کی
بات کیوں نہیں کرتے۔ اب جو حقیقت ہے۔ حال ہے۔
اس کا ماضی۔ اس کا گزرا ہوا کل اور.....

”عباد کو بھی زندگی گزارنے کے لئے اچھی، گھریلو
اور سمجھن محبت کرنے والی لڑکی کی ضرورت تھی اس نے جو
بہتر سمجھا کر لیا تم نے اسے کیا دیا تھا؟“ راحمہ بھابی بڑی
بے باکی سے سوال کر رہی تھیں رعنا بھابی بڑے کدھر سے
”اندرا داخل ہوئیں۔

”اک کٹھ پتلی ایسی زندگی، من مانی، آزاد خیال اور
ماڈرن تہذیب..... بی بی یہ سب باہر کی باتیں ہیں اس
شالی اور گھریلو زندگی میں یہ سب نہیں چلتا اور عباد تھا ہی
گھریلو.....“ اس کے ہاتھ دباتے دباتے بے جان
ہو گئے..... اسے اپنے گرد دھنکھہ کستا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ
بے بسی کی انتہا پر تھی۔

”جاؤ بیٹا..... جا کر آرام کرو.....“ زبیدہ وحسن نے
اس کی مشکل آسان کی۔ وہ اٹھ کر چلی گئی۔
”امی آپ بھی نا..... اب اسے نکال باہر کریں کیا
ہے اس میں۔“

رعنا نے تھکے انداز میں کہا۔

میں نے سوچا ہے اسے میں“

”امی.....“ رعنا نے بات کاٹ دی۔ ”ہم سب
اب یہ چاہتے ہیں کہ آپ اس کو آزاد کر دیں۔ یہ اس گھر
سے چلی جائے۔ اس کا یہاں کچھ نہیں ہے۔ آخر عباد نے
اگر ہی آتا ہے پھر..... پھر بھی تو..... اب تو اس نے کہہ بھی
دیا ہے تو آپ.....“

”ہاں.....“ انہوں نے گہری سوچ میں غلطیاں
میرے سے کہا۔

”میں بھی یہ ہی سوچ رہی ہوں اس کے والد
آجائیں تو حتمی فیصلہ ہو جائے گا۔“ وہ کسی گہری سوچ میں
تھیں۔ رعنا اور راحمہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس دیں۔
اب آیا الونٹ پہاڑ کے نیچے۔

☆☆☆
تیرا میرا رشتہ کیا
اس کو بٹکھاتے بٹکھاتے
اپنے دل کی دیواریں ڈھکی کر بیٹھا ہوں
رشتہ شاید سلجھ نہ پائے
لیکن اس کو بٹکھانے کی دھن میں
جاناں.....!

سارے خواب بھلا بیٹھا ہوں
اپنا آپ گنوا بیٹھا ہوں

عباد تک جانے کے تمام راستے بند ہو گئے۔ چاہت
کے دروازے پر لگے رنگ آلود قفل کسی طور نہیں کھلے تھے۔
انہیں ٹوٹ کر گرنا تھا۔

پھر وہ یہاں کیوں ہے۔ اسے یہاں سے چلے جانا
چاہیے۔ نہیں بھی ہو محبت تو سلامت رہتی۔ وہ سنگدل
محبوب اسے مار کر ختم کر دینے کی خواہش میں مبتلا ہو گیا
ہے اسے یہ گھر چھوڑ دینا چاہیے۔ ابو کے آنے تک ہاسٹل
میں دارالامان میں رہ لے لی۔ جب جینا ہی ٹھہرا تو زندگی
تو مثبت پہلو سے گزارے اور دوسرے کے لئے کام
کرے۔ انسان ٹھوکر کھا کر ہی تو سمجھتا ہے۔ اور یہاں
صرف ٹھوکر کریں، طعنے، تشنّے اور ماضی کے حوالے
ہیں..... بندوں کی نظر میں نہ سہی خدا کی نظر میں سرخرو
ہو جائے۔

سیاہ طویل تاریک رات لان کی ٹھنڈی، بخ سنگی
مینر حیاں ہر سو پھیلی مختلف پودوں کی ملی جلی خوشبودار اس کی
لاحدود سوچیں۔ گھنٹوں پر سر رکھے وہ اماؤس کی سیاہ رات کا
حصہ لگ رہی تھی۔ کروڑوں کے مالک ملک انجاز کی بیٹی،
بیرسٹر رینا رڈ عبید وحسن کی بہو اور امیر شہزادے عباد وحسن کی
بیوی۔ دارالامان میں رہے گی۔

”نئی زندگی..... آج امی بھی کہہ رہی تھیں نئی زندگی
شروع کرو۔ عباد واپس آنا چاہتے ہوں گے میری موجودگی
میں کیسے آئیں۔ کتنے مہینے کتنے سال ہو گئے ہیں انہیں
گئے۔ کتنے سال!“ وہ چونکی۔ ”سال..... کتنے سال.....“
وہ یاد ہی نہ کر سکی۔ اس نے تو کوئی حساب ہی نہیں رکھا تھا۔
”انتظار..... انتظار، طویل انتظار.....“ لا حاصل ہی

رواہ۔ ماں بننے سے ملنا چاہتی ہوں گی۔ بے شک وہ اس سے محبت کرتی ہیں مگر بیٹے کو کب تک در بدری کی سزا دے سکتی ہیں۔“

”میرا کیا ہے؟“ دل اور وجود کا۔۔۔۔۔ کوئی ایسا مضبوط رشتہ بھی نہیں۔“

ٹھیک ہے وہ چلی جائے گی راستے آسان کر دے گی گمراہی سے وعدہ لے کر چائے گی۔ وہ عباد کے راستے سے ہٹ رہی ہے۔ عباد اسے بھی نہ چھوڑے۔ اب وہ کسی اور کے قابل ہی نہیں۔ وہ جتنا بے محبت ہے اسے کوئی اور چہرہ اچھا لگ ہی نہیں سکتا۔

اس فیصلے پر دل کتنا مضطرب تھا کوئی اس سے پوچھتا۔ اپنی تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کرے گی۔ تعلیم کی فروغت کے لئے کام کرے گی۔ اک لائحہ عمل بنائے گی جب دوسروں کے لئے ہی جینا تو عمل مثبت کیوں نہ ہو۔ دھیرے سے اٹھ گئی۔

☆☆☆

صبح دھیرے سے ان کا ہاتھ تھام کر اس نے اپنا فیصلہ سنایا یہاں سے جانے کا۔۔۔۔۔ زبیدہ رحمن اسے دیکھتی رہ گئیں۔

”بابا کے گھر کو میری ضرورت ہے۔ یہاں تو میں عضو معطل کی طرح ہوں، ناپسندیدہ، فضول، بے کار۔۔۔۔۔ زبیدہ رحمن اسے دیکھتی رہیں۔“ دعا کیجئے گا مجھے زندگی راس آجائے۔“ زبیدہ رحمن ہم سے انداز میں مسکرائیں۔

”بس ایک بات آپ سے کہنی تھی۔ عباد سے کہیے گا مجھے حقائق نہیں دس میں ان کے لئے راستہ چھوڑ رہی ہوں اور ہو سکے تو زندگی کے کسی موڑ پر مجھے معاف کر دیں۔ میں نے ان کا دل دکھایا، ہرٹ کیا، سنگدلانہ رویہ رکھا اور کبھی انہیں اہمیت ہی نہیں دی۔“ دھیرے سے ان کے سامنے زمین پر پیروں کے پاس کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ دو زانو۔۔۔۔۔ مارا ہوا انداز۔۔۔۔۔ بے رونق چہرہ۔ اچھے ہوئے بال، رت جگے کی ماری آنکھیں۔

”مجھے بس لینا آتا تھا محبت۔۔۔۔۔ محبت۔ دوسروں کی محبت۔ دوسروں سے محبت! مجھے محبت دینے کا نہیں پتا تھا۔ حقوق کیا ہوتے ہیں۔ فرائض کس کا نام ہے پھر مجھے

اہتمام پاکیزہ

سہیلیوں کی گید رنگ ایسی ملی کہ میں اپنی اقدار، روایات سب کچھ بھول گئی۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔۔۔۔۔ مجھے بے دریغ پیسہ اور آزادی ملی۔۔۔۔۔ میں بد سے بدتر ہوتی چلی گئی جب مجھے رہنے کا احساس نہیں تھا تو محبت کیسے دیتی۔ میں صرف اخلاق کے حساب سے گری ہوئی تھی۔ میں بری نہیں تھی۔ میری تربیت ہی نہیں ہوئی تھی، مگر تو تھا مگر میری تربیت کرنے والے نہ تھے۔ وہ ہاتھ نہ تھے جو غلط راہ پر چلنے سے روک لیتے۔“ سر جھکائے دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔ زبیدہ رحمن دم بخود رہی تھیں۔

”برسوں گزر گئے پاپا کی شکل دیکھے۔ ان کی گود میں سر رکھے انہیں پیار کرنے کا سوچتے آپ تو جانتی ہیں کہ وہ میری شادی پر چند دنوں کے لئے آئے تھے۔ مجھے گھر داری کا سلیقہ نہیں تھا۔ رشتے ناتے کیسے ضابطے میں رکھے جاتے ہیں مجھے خبر نہ تھی۔ میں نے گھر بیلو ماحول دیکھا ہی نہیں تھا۔ آئی سارہ کو کبھی اہمیت ہی نہیں دی تھی، بس گورنس سمجھا تھا۔ بچپن سے ان کا ہی چہرہ دیکھتی آ رہی تھی۔ کاش میں نے ان کی صحبت سے فیض اٹھایا ہوتا تو اب در بدر نہ ہوتی۔ انسان ٹھوکر کھا کر سنبھلتا ہے۔ آپ کی شخصیت نے مجھے بدل دیا۔ عباد ٹھیک کہتے تھے کوئی برا نہیں تھا۔ ان کی امی، بھابھیاں، بہنیں۔ میں بری تھی ان کی زندگی کے قابل نہ تھی۔“ اس کی آواز بھرا گئی۔ خشک آنکھوں سے دیکھا۔

”مجھے گھر اور راستہ بدل لینا چاہیے۔“ اس کے وجود میں غبار بھر رہا تھا۔ ”میں نے کسی گناہ کے بوجھ کو چھپانے کے لیے اس گھر میں قیام نہیں کیا۔ مجھے حقیقت میں آپ سے محبت ہو گئی تھی۔ یہ زندگی ہے یہاں حساب کتاب یونہی چلتا ہے۔۔۔۔۔“ اس کے لہجے میں اعتراف تھا۔ جب آپ لوگ محبت دیتے تھے تو میں پتھر تھی۔ آج جب میں محبت سیکھ کر محبت بانٹنا چاہتی ہوں تو آپ لوگوں کو ضرورت نہیں، مجھے گلہ نہیں۔ دھیرے دھیرے گزرتے وقت نے مجھے حقیقت سے روشناس کرا دیا ہے، مجھے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر رہا ہے۔ خوابوں کے سہارے زندگی نہیں گزرتی اسی لیے میں نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“ دھیرے سے اپنے نچلے ہاتھوں میں ان کا

گرم محبت آمیز صحت دیتا ہاتھ تھا ملایا۔

”آپ بھی مجھے معاف کر دیجیے گا۔“ دھیرے سے اس کا سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔ ان کا دل بھرا رہا تھا۔ آنکھیں نم ہو گئیں۔ وقت نے اس لڑکی کی قسمت میں جانے کیا لکھ دیا تھا۔

”وقت نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔ مجھے کسی سے شکایت نہیں کچھ میری تقدیر اور کچھ میرے اعمال۔“ زبیدہ رُمن کا حدت آمیز ہاتھ اس کے بالوں پر ٹھہر گیا۔ ان کے اٹھار میں کیا تھا، کچھ نہیں سب زور و جبر کر کے دیکھ لیا۔ عباد کا دل بھی تھڑ ہو گیا تھا۔ مانتا ہی نہیں تھا۔ اب اس نے شادی کر لی تھی تو پیچھے کیا رہ گیا ان کے خاندان کو گر بن لگ ہی گیا تو اچھا ہے عباد اسے طلاق دے دے۔ لڑکی ذات ہے گھر بسا لے گی۔ زندگی کا کیا بھروسہ ہے۔ کیا پتا..... کتنی ہے، تنہا جیون نہیں گزرتے۔

☆☆☆

”تم کہیں نہیں جا رہی سناتم نے۔“ رُمن صاحب اس کے سر پر کھڑے تھے اس نے سر جھکا لیا۔ ”جب تک تمہارے والد نہیں آ جاتے۔“ اسے اندر ہی اندر خدا کی تدبیر پر پیار آ گیا۔ وہ کسی بندے سے غافل نہیں۔ رات سوچ رہی تھی اس کے پاس کتنے پیسے ہیں۔ آئی کے نے تک اسے انتظار کرنا تھا۔ اس کے پاس زیادہ رقم نہیں تھی اور اب..... نگاہ اٹھا کر کمرے کے وسط میں کھڑے رُمن صاحب کو دیکھا۔ اس نے سر جھکا لیا۔

”ابھی وہ احمق اعظم آ نہیں رہا تم ادھر ہی رہو۔“ ”جی!“ شایان نے دھیرے سے اقرار میں سر

☆☆☆

انہی دنوں جب شایان نے صبر و تحمل کی سِل سینے پر رکھے کاتب تقدیر کے فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیا تھا کہ اک اللہ ہناک خبر نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ خود زبیدہ رُمن بھی راکت رہ گئیں۔

”عباد کی بیوی مر گئی۔ ایک بیٹے کو جنم دے کر۔“ ”یا اللہ..... میں نے تو کوئی بد دعا نہیں دی۔ تیرے لیے پُر عمل کیا پھر..... یہ کیا ہو گیا؟“

ایماندہ پاکیزہ

”امی، فی الحال میں نہیں آ سکتا سبز کو آپ کے پاس بھجوا رہا ہوں۔ اب آپ نے اسے پالنا ہے۔“ اور وہ ششدر رہ گئیں۔

”میں آپ کی نافرمانی کرتا رہوں گا مجھے سزا ملتی رہے گی۔“ وہ چپ اور ساکت گئیں یہ کیا ہو رہا ہے۔

اور پھر حزن آ گیا۔ ننھا منا، خوبصورت سا، اسکا بے بلو کمبل میں لپٹا، انگوٹھا چوستا اور آنکھیں بند کیے دنیا داریا سے بے خبر۔ عباد کا دوست لے کر آیا تھا۔ عباد کا بیٹا! شایان نے بھی دیکھا اور بس خالی الذہن ہو گئی۔ کاش، کاش.....

”پتا نہیں یہ عباد کیا کرتا پھر رہا ہے۔“ رُنا بھابی نے کہا ”کچھ سوچنا چاہیے تھا اسے۔“ شایان کا دل دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ جتنے مدت اتنی ہی باتیں تھیں۔

رات کو زبیدہ رُمن نے شایان کو اپنے کمرے میں بلایا۔

”شایان یہ عباد کا بیٹا ہے۔ اسے تم پالو گی تم سے بہتر اسے کوئی نہیں پال سکتا۔“

”جی.....؟“ وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔ ”کیا کہہ رہی ہیں آپ؟..... میں“

”ہاں، تم..... لو۔“

”نہیں امی، میں تو۔“ وہ تھیز زدہ تھی۔

”ہاں، کیا ہوا ہے تمہیں؟“

”امی۔“ وہ ان کے پاس بیٹھی۔ ”جب عباد مجھے

قبول نہیں کر رہے تو۔ وہ کیسے اپنی اولاد کو میری گود میں دے سکتے ہیں، میں اتنی بری ہوں کہ..... وہ.....“

”تم کتنی بری ہو تم مجھ سے پوچھو۔“ زبیدہ رُمن نے

محبت سے اسے ساتھ لگا لیا۔

”کوئی انسان برا نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف، اس

کی عادات بری ہوتی ہیں اور وہ شخص تو فرشتہ ہوتا ہے جو

اپنی غلطی کو تسلیم کرے اور تمہیں یہ ذمے داری اس لیے

سونپ رہی ہوں کہ تم مجھے عزیز ہو گئی ہو۔ تمہارے لیے

میں عباد سے لڑ سکتی ہوں۔ تمہیں ہمیشہ اس گھر میں دیکھنا

چاہتی ہوں اور.....“ کاٹ میں لیٹے حزن آ گیا۔

”بچے پل ہوتے ہیں ماں باپ کے درمیان رابطے

”کیا.....!“ رعنا بھابی۔ راحہ بھابی اور ندا بھابی نے اس خبر کو بے یقینی سے سنا کہ عباد کے بیٹے حمزہ کو اب شایان پالے گی۔

”اگر یہی کرنا تھا تو عباد کو اتنی دور جانے کا ڈراما کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کہاں تو عباد شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا اور اب اتنی بڑی ذتے داری..... اعتماد کیسے کر لیا اس کی تربیت پر جو خود غیر تربیت یافتہ ہو۔“ رعنا بھابی کے انداز میں تنفر تھا۔ شایان کے لیے ان کی نفرت کم نہیں ہوئی تھی بلکہ بڑھی تھی۔ فارہ کا جہاں رشتہ ہو رہا تھا وہ رشتہ انہیں قطعی پسند نہیں تھا۔ انہیں تو عباد کے ساتھ فارہ یہی جتنی تھی مگر نہ درمیان میں شایان آئی اور نہ ان کا راستہ رکنا۔

ایک سبیل پیدا ہوئی تھی کہ عباد نے دوسری شادی کر لی..... انہوں نے دل برداشتہ ہو کر فارہ کا رشتہ طے کر دیا۔ آخر تک وہ انتظار کر سکتے تھے۔ وہ چاہتی ہی نہیں تھیں کہ شایان اس گھر میں رہے۔ اس لیے کبھی اسے پرسکون رہنے نہیں دیا کہ اب پھر اس کے ہمیشہ کے رہنے کا انتظام ہو گیا مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری۔

”امی..... حمزہ کے لیے گورنس کا انتظام ہو سکتا ہے۔“ ناگوار کی شکلیں ان کی پیشانی پر قلم تھیں۔

”کیوں بیٹا، جب گھر میں بیٹیاں موجود ہیں تو گورنس کی کیا ضرورت ہے؟“ اپنی بہوؤں کے ساتھ ان کا لہجہ شائستہ اور حلیمی لیے ہوتا تھا ان کی زندگی کا مؤقف تھا کہ انسان جب تہذیب یافتہ اور تعلیم یافتہ ہے تو اس کے لب و لہجے، طریقے، سلیقے سے ظاہر بھی ہونا چاہیے۔ ناپسندیدگی کے باوجود ساس بہو کے جھگڑے کو ہم نے خود ختم کرنا ہے۔ رعنا کی مخالفت کو وہ سمجھ گئی تھیں۔

”بے شک امی مگر ہماری اپنی ذتے داریاں ہیں۔ بچے بڑے ہو رہے ہیں ان کی تعلیم، تربیت، ان کے کام، ان کی فکریں.....“

”تو اس کے لیے شایان ہی کافی ہے۔“

”وہ..... نا اہل عورت..... ہونہ جس کی زندگی میں تہذیب اور تہذیب نام کی چیز نہیں۔ میں تو حیران ہوں یہ فیصلہ ہو کیسے گیا۔“

”ضروری نہیں ہے بیٹا نا اہل ساری عمر نا اہل ہی

اگست 2007ء

کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ سو تلخی ہی اتنی ہی مالتو ہوتا۔“

”امی.....! وہ گنگ ہو گئی۔ اسے عباد کی داپہسی، عباد کی محبت بغیر کسی قرض کے چاہیے تھی۔ اسے بدلہ نہیں چاہیے تھا۔ بے لوث محبت چاہیے تھی۔ زبیدہ رخن اسے دیکھے لگیں۔ آنکھ کی پتلی میں پانی رخص کر رہا تھا۔ آنسو غم نہ ہوا اس کی آنکھوں میں گھبر گئے تھے۔ بہتے نہیں تھے اور گھبرا ہوا آنسو بہت دکھ سینے ہوتا ہے۔

”میں اس قائل نہیں۔“ وہ جھک کر پیچھے ہٹی۔

”جہیں اب کہیں نہیں جانا، یہ میرا فیصلہ ہے۔ تمہارے جانے کے فیصلے نے مجھے بے حد دکھ دیا ہے۔ بیمار کر ڈالا۔ لو سنبھالو..... اب میری عمر بچے پالنے کی نہیں ہے اور نہ بچے سنبھالنے کی۔“ نلے کبل میں چھپا پنہا مناسا وجود اس کی گود میں رکھ دیا جسے بشکل سنبھالا۔

”امی! یہ بہت بڑی ذتے داری ہے۔“ شایان بے بسی سے بولی۔

”اور اس کی اہل تم ہو۔“ وہ جانے کیوں خوش تھیں۔

”عباد سے پوچھ لیں میں اہل ہوں یا..... نہیں.....؟“ شایان نے کہا۔

”اس سے تو میں ایک ساتھ ہی پوچھوں گی کہ اہل ہے یا نہیں“ اس کی گود میں سیٹھ بچے کو محبت سے دیکھا۔ بچہ کسمسار ہا تھا۔

”جاؤ اس کا فیڈر لے آؤ۔“ وہ گولگو کی حالت میں انہیں دیکھتی ہوئی بچے کو دوبارہ ان کی گود میں دے کر اٹھ گئی۔ وہ تو یہاں سے جانے کے ارادے پر قائم تھی کہ یہ زنجیر اس کے پاؤں سے لپٹ گئی۔

”یا اللہ جب، جب میرا قیام، میرا رزق اس گھر سے وابستہ ہے تو ان کے دلوں کو بھیر دے پھر سے..... ہاں پھر سے اس کی شخص کے دل میں میری محبت بھر دے پھر سے میں اس کے دل سے قریب ہو جاؤں۔“ پانی چھٹے پر رکھ کر وہ فیڈر رکھ لے گئی۔

☆☆☆

”اچھا.....“

”جہیں جہیں.....“

ایمانت پاکیزہ

کچھ کی عمر تو تازہ رنگی رہتی ہے اور اب تو شایان
بچہ جیسی ہی لگتی ہے۔“

”مجھے جیسی..... سات جنم بھی لے، لے تو مجھ جیسی
نہیں بن سکتی۔ اس کا کردار، اس کی گید رنگ اور اس کا
اطلاق کیا ان چند سالوں میں بھول گئی آپ.....؟“

”ہاں! ہمیں ان سب باتوں کو بھول جانا چاہیے۔ جن کا وجود باقی
نہ ہے، ہمیں اچھا یوں کی اور اچھے رویے کی قدر کرنی چاہیے۔ ہمیں کسی
کو بیش از اس کے ماضی کے آئینے میں نہیں دیکھ سکتے۔ اس کا حال بھی
تیارے لیے اہم ہونا چاہیے اور میرے خیال میں رعنا تمہیں بھی اپنے
خیمے کو ختم کر دینا چاہیے۔“ رعنا نے منہ پھیر لیا۔ ”بلکہ کا قصہ خرام ہے۔
قصہ ہمارے شخصیت کو کھن لگا دیتا ہے۔ اپنے دل اور ظرف کو بڑا کر کے
دیکھو راحت محسوس ہوگی اور پھر معافی طلبی کے راستے پر تو کچھ رہنا ہی
نہیں چاہیے۔“

”امی جب عباد کا دل سخت ہے تو میرا دل بھی پتھر ہو
گیا ہے۔ مجھے وہ اچھی نہیں لگتی۔ آپ خواہو تو اسے.....
رکنا چاہتی ہیں۔“ زہیدہ رعنا نے رشتہ کی ناگواری کو
محسوس کیا اور چپ ہو گئیں ان کے اندر ایک گہری سوچ
نے جنم لیا۔

☆☆☆

قدرت کی اس فیاضی پر، اس انصاف پر شایان بے
حد حیران تھی۔ عباد کا بیٹا..... اس کی گود میں..... کیا وہ اس
قابل تھی۔

اس نے تو کہا تھا۔

”اچھا ہوا..... تم ماں نہیں بنیں ورنہ سناپنے جیسی اولاد
کو جنم دیتیں۔ ہے کیا تمہارے اندر..... اس چہرے کے
حوالہ۔“

”عبا..... د..... بے چینی اور بے تابلی اس کے
اجود کے پاتاں سے ابھری۔“ اب..... اب آئیں اور
ہمیں میں سرنا پا بدل گئی ہوں۔ آپ کی محبت میں.....
آپ کی چاہت میں آپ کے عشق میں۔“ بے اختیار ننھے
سند جو گواپنے ساتھ لگا لیا۔ محبت کیسی تن آدر ہو گئی ہے۔
”ایک بار..... ایک بار۔“ بے بی لوشن اور بے بی پاؤ ڈر
لوشن جیسی مسکون کن مہک نے اس کے وجود کو مہکا دیا۔
اس کے دن رات بدل گئے۔ مصروفیات بدل

اہلہ بکریو

گئیں۔ طلعے، تشے، کیسلے انداز اور کٹیلے لہجے محسوس ہی نہیں
ہوتے اب وہ کسی اور یار میں، کسی اور مکاں میں ہو چکے۔
عباد کا بیٹا۔ دوسری عورت کے بطن سے۔ اسے حسد نہیں
ہوا۔ حمزہ کو اس نے دل سے لگا لیا اور دھیرے دھیرے اس
میں سمٹ گئی۔ اک نیا جہان اس کے گرد آباؤ گیا۔

☆☆☆

آئی سارہ حیرت سے اسے ننھے سے حمزہ میں گم
دیکھ رہی تھیں۔ اس کے کام، اس کا فیڈر..... اس کا پتھر
اور اس کی نیند..... بیٹا آہٹ کے کام چہرے پر قوس قزح
کے رنگ۔ اک انہونی سی چمک، تھکاوٹ نہیں، بلکہ
حلیے میں، مک مک سے بے نیاز، نیالے سے لباس میں۔
چمکتے چہرے کے ساتھ جس کی آنکھوں میں ابھی بھی پانی
ٹھہرا ہوا تھا۔

بہت عرصے بعد وہ آج اس سے ملنے آئی تھیں۔
شایان تو جب سے آئی اس نے پلٹ کر خبر نہیں لی۔ ٹیلی
فون پر بات ہوتی رہتی تھی۔ حمزہ کو سلا کر وہ ان کے پاس آ
کر ان کے قدموں میں کارپٹ پر بیٹھی اور ان کے گھٹنوں
کے گرد بازو پلٹ کر انہیں دیکھا۔ سیاہ چٹلیاں پانی کی
جھیلوں میں تیر رہی تھیں۔ ذرا سادہ بانے پر جھرتا پھوٹ
پڑنا تھا۔

”پاپا کیسے ہیں؟ آئے نہیں۔ ان سے کہیں مجھے
فون کر لیا کریں۔“ وہ بس اسے دیکھے جا رہی تھیں۔ یہ وہ
شایان تو نہیں۔ چنچل، شوخ و شریر، شرارتی، سہیلیوں کے
اجوم میں رہنے والی، ہر دم ٹیک، پارٹیز، سیر سپاٹے،
کرنے والی۔ بدل تو وہ گئی تھی مگر اتنا بدلے کی ان کے
گمان میں بھی نہیں تھا ان کی نگاہ کے سوالوں سے بچنے کے
لیے گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔

”شایان!“ انہوں نے دکھ سے پکارا۔

”جی!“ منتا کا لمس سر پر ٹھہر گیا۔ دل میں رونے
اور شدت سے سکھنے کی خواہش جاگی۔ وہ ان سے کچھ نہیں
چھپا سکتی تھی۔

”تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ عباد ملک سے باہر
چلا گیا ہے اور واپس نہیں آیا۔“ وہ چپ رہی۔ ”تم نے اس
کی اولاد کو کیوں قبول کیا؟“ شایان کا دل کانپ

یقین تھا۔ ان کا دل دکھ سے بھر گیا۔ جانے اس کی قسمت میں کیسے تنہائی کے دکھ رقم تھے۔

”یہ میرا کفارہ ہے، میری محبت کی انتہا۔“ سر جھکا کر دھمے سے کہا۔

”شایان!“ اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”آپ ہی اسے سمجھائیں! آئی خالی خالی محبت سے پیٹ بھرتا ہے اور نہ زندگی گزرتی ہے۔ دل دنگاہ سے اترے ہوئے لوگ کبھی وہ مقام نہیں پاتے ہیں۔“ رعنا بھائی شاید ان کی باتیں سن رہی تھیں اندر آ گئیں۔ دونوں چونک گئیں۔ ”لا حاصل امید بہار ہے۔ عباد کے نام کا کوئی پھول نہیں کھلنے والا بہتر ہے کہ آپ اسے لے جائیں۔“ آئی اس کھلی مخالفت پر ہکا بکا رہ گئیں۔

”اسے میں بچپن سے دیکھ رہی ہوں۔ وہ ایسا ہی ہے۔“

”بھائی پلیز!“ شایان نے سر اٹھانے کے سہانے انداز میں انہیں دیکھا۔

”میں عباد سے بھی بات کر رہی ہوں کہ یہ کیا طریقہ ہے۔ کسی کی زندگی برباد کرنے کا۔ فیصلہ کر دنا کہ تمہیں بھی اپنی زندگی گزارنے کا موقع ملے۔“

”بھائی! جس زندگی کی خواہش مجھے ہے میں گزار رہی ہوں، مجھے عباد کا نام چاہیے اور کچھ نہیں۔“ رعنا بھائی بھرپور تنفر کے ساتھ اسے ٹھوڑتی رہیں ان کے اندر آگ سی جل رہی تھی۔ یہ لڑکی پھر سے جیت رہی تھی حمزہ کے حوالے سے مقام بننا ہی تھی اور..... اور.....

”آپ خود فیصلہ کریں! آئی۔“ اب وہ آئی سارہ سے مخاطب ہوئیں۔ ”نہ کتنی غلطی کر رہی ہے جب احساس ہوگا تو زندگی گزر چکی ہوگی۔ ابھی وقت ہے دوسری شادی کا، عباد سے طلاق لے کر.....“

”بس کریں آپ!“ اس کا لہجہ تنج گیا۔ ”پلیز.....!“ اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔ ”رحم کریں مجھ پر آپ کا کیا لیتی ہوں۔ معاف کر دیں مجھے۔ معاف کر دیں۔“ حمزہ کو دیکھنے کے لیے آئی زبیدہ رخصت نے دروازے پر دک کر ساری گفتگو سنی اندر آ کر سارا منظر دیکھا۔ شایان کا جھکا ہوا سر۔ بندھے ہوئے ہاتھ۔ رعنا کا

گھر۔ ”شایان!“ زنجیدگی بھرے دکھ سے دیکھا۔ ”وہ تو کبھی تمہارا تھا ہی نہیں ہے اور تم جانے کس گمان میں رہیں۔ وہ تو جانے تمہیں کب کا چھوڑ چکا ہے اور تم.....“ آئی..... اس کا دل سکا۔ ”میں ان کے گھر میں ہوں۔ ان کے نام سے ہوں پھر کیسے چھوڑ دیا۔ اب تو ان کا بچہ میری گود میں ہے۔ مجھے ان سے ہے انتہا محبت ہے۔“

”اس کے دل میں تمہاری کتنی جگہ ہے زبردستی کے قیام سے گھر نہیں ہٹے۔ کیا زندگی اس امید..... اور خالی وجود کے سہارے گزر سکتی ہے۔ تم نے مجھے بے خبر کیوں رکھا۔ ماں نہیں تو کیا ہوا۔ ماں جیسا سمجھ تو سکتی ہوتا۔“ غلطی سے اسے دیکھا۔

”آئی.....“ دھیرے سے ان کے ہاتھوں کو چوم لیا۔ ”آپ میری ماں ہیں..... مجھے آپ نے قدم قدم پر سہارا دیا ہے۔ سمجھایا ہے میں غلطی پر تھی۔ ڈوبنے سے آپ نے بچایا۔ عباد کی محبت میرے روم روم میں سرایت کر چکی ہے اس سے پچھڑنا میرے اختیار میں نہیں جب کہ قدم قدم پر یہاں خازنہ راستے ہیں۔ امی کی بے تحاشا محبت نے مجھے سمیٹ لیا ورنہ شاید میں طغی ہی جاتی یہاں سے۔ وہ بہت عظیم خاتون ہیں یہ جانتے ہوئے کہ میں نے ان کے بیٹے کو ہرٹ کیا، ان کے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا انہوں نے ایک بار معافی مانگنے پر معاف کر دیا حالانکہ گھر والوں نے مجھے معاف نہیں کیا۔“

”اور..... اور شایان..... عباد نے۔“ اس کے ہاتھوں میں خفیف سی کپکپاہٹ ہوئی۔ ”اس نے معاف کر دیا کیا؟“

”وہ بھی معاف کر دیں گے جب ان کا دل صاف ہو جائے گا۔“

”اس کا دل کبھی صاف نہیں ہوگا بہتر تمہارے لیے یہ ہے کہ سب کچھ ختم کر دو۔“

”نہیں..... آئی! بالکل بھی نہیں اس گھر سے نکل کر میں مرنے جاؤں گی۔ انہوں نے مجھے اعتماد کے قابل سمجھا ہے تو ان کا بچہ میری گود میں ہے نا۔ بیٹے تو پل ہوتے ہیں ان کی محبت پھر سے مجھے حاصل ہوگی۔“ اس کے لہجے میں

بات بند پائیز

کردہ ہے اٹھارہ اور سارہ کا ہٹا کا سا انداز۔

”رہنا“ انہیں شرمندگی اور غصہ ایک ساتھ آیا۔

”جی“ وہ گڑبڑا کر پیچھے ہٹیں۔

”تم نے کب سے اس گھر کے فیصلوں میں دخل اندازی شروع کر دی۔“ ان کے چہرے پر ناگواری تھی۔

”ای میں دراصل.....“

”ابھی تو ہم زندہ ہیں۔“ شایان کے ہاتھ کٹے ہوئے شہیر کی طرح گود میں گرے اور اس نے آئی کی گود میں منہ چھپالیا۔

”شایان نے اس گھر میں رہنا ہے ہمیشہ اگر اس نے جانا ہوتا تو واپس آئی ہی نا..... یہ عباد کی محبت ہے، چاہت ہے، محبتیں ناراض، خفا ضرور ہوتی ہیں مگر قسم نہیں ہوتیں اور جو محبتیں قسم ہو جاتی ہیں وہ محبتیں نہیں خود مرضی، خود پرستی ہوتی ہیں۔ تمہیں یہ بری لگتی ہے تو کوئی رابطہ نہ رکھو۔“ وہ حزمہ کے پاس بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئیں۔ شایان جھٹکے سے سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔ اب ہٹا کا رعنا بھابی ان کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ تو ان کی من چاہی بہو تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ سب کے سامنے بلکہ ان لوگوں کے سامنے ان کی اسلٹ کر پیں گی۔ انہیں شاک لگا۔ ایک دم سے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

”آپ کچھ برا محسوس مت کیجیے گا۔ یہ تو بس بچے ذرا جذباتی ہو جاتے ہیں۔“ زہیدہ دُسن نے مسکرا کر سارہ کو دیکھا۔

”شایان..... جاؤ مہمان کی خاطر تواضع کے لیے کچھ لے کر آؤ۔“

”جی!“ اس نے خود کو سنبھالا اور کھڑی ہوئی۔

”یہ سو رہا ہے، اٹھا نہیں۔“ حزمہ کو جھک کر دیکھنے لگیں۔ شایان انہیں دیکھتی باہر نکل گئی۔ اس کی خاطر انہوں نے رعنا بھابی کو سرزنش کی۔ ان کی قدر و منزلت دل کے ایوانوں میں بڑھ رہی تھی۔

”تم..... تم! اتنا کچھ سہہ رہی ہو اور پھر بھی یہاں ہو جب کہ یہ لوگ.....“ جاتے وقت جب شایان انہیں گیٹ تک چھوڑنے جا رہی تھی اس کا ہاتھ تھام کر ہاسٹ سے اسے دیکھا۔

”جی آئی۔“

”اتنا کچھ سننے کے باوجود سب شایان نے رشتی پکوں کو چھپا کر انہیں دیکھا۔

”اتنا کچھ سننے کے باوجود اس لیے آئی کہ میں نے ان کے ساتھ کم نہیں کیا۔ طرح طرح کے الزام لگائے در بے گوی کی، غلط بیانی سے کام لیا۔ مجھے اتنی بڑی ٹیلی میں رہنے کا سلیقہ طریقہ نہیں تھا جو کچھ بھی ہونا دانستگی میں ناگہمی میں ہوا۔“ اس کی آواز بھرا گئی۔ دھیرے سے لب کاٹ کر انہیں دیکھا۔ اک بار پھر وہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔ ضبط نفس کی کسی سٹیج پر کھڑی تھی اپنا ظرف خود ہی آزمای رہی تھی۔ آنکھوں میں پانی تیر رہا تھا مگر رنساہر پر ڈھلکے کی اجازت نہیں تھی۔

”یہ میرا کفارہ ہے آئی۔ دل دکھانے کی سزا..... خدا اور بندوں کو ایک ساتھ راضی کرنا ہے خدا کے بغیر بندے راضی نہیں ہوں گے۔ بندوں کے حقوق پورے نہ ہوں گے تو خدا راضی نہیں ہوگا۔“

”شہنی“ بے اختیار اسے گلے لگا کر چوم لیا۔ ان کے آنسو بہہ نکلے۔ ”ایسی باتیں کہاں سے سیکھ لیں؟“

”کتابوں سے، کتابوں نے مجھے وہ کچھ سکھایا ہے جو میں انسانوں سے نہ سیکھ سکی۔ شوہر کی ناراضی سے تو عبادت قبول نہیں ہوتی، آئی۔ میں انہیں منانا چاہتی ہوں، بلانا چاہتی ہوں مگر.....“ اس نے دانتوں سے ہونٹ کترتے ہوئے ہونٹ کاٹا۔ ”مجھے پیا منانے کا ڈھنگ نہیں۔“ درد بھری ہنسی حزن میں ڈوب کر ابھری۔ آئی سارہ نے نم پکوں سے اس کی پیشانی چوم لی۔

”میرے لیے دعا کیجیے گا آئی۔“ شایان ان کے گلے لگ گئی۔ ”خدا میری ریاضتوں، عبادتوں کو قبول کر کے مجھے عباد واپس کر دے۔ ان کا دل میری جانب موڑ دے۔“ اس کے رویے سے لمحہ لمحہ ان کا سینہ دکھ سے بھر رہا تھا۔ اس کے دل کی سسکیاں وہ اپنے سینے میں محسوس کر رہی تھی۔ دل سے اس کی خوشیوں کے لیے دعا نکلی۔ سکھ کی چھاؤں اور خوشی کے پھول کھلیں۔

☆☆☆

موسم دھیرے دھیرے بدل رہا تھا تو وقت تیزی

عزیز ہوا تھا اس کا کام تو گزرتا ہی ہے۔ وہ کب کسی کے لیے غمناک ہے۔ حمزہ کو سنبھالتے سنبھالتے وہ خود سے غافل ہوتا جا رہی تھی۔ اس روز اس کے بدرنگ کھسے ہوئے کپڑے دیکھ کر بیدہ رحمن چونک گئیں۔

”شایان، میں نے تمہارے لیے کپڑے سلوائے تھے پتے نہیں۔“ وہ دھیرے دھیرے حمزہ کو سلا رہی تھی چونک کر۔

”ٹھیک تو ہیں کپڑے۔“ نگاہ چلائی۔

”کیا رنگ اور سلائی پسند نہیں آئی؟“

”نہیں امی..... ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ کنبل ایک کر کے وہ پیچھے ہٹتی۔

”میرے پاس جو کپڑے ہیں بس وہی کافی ہیں امی میرے لیے مت بنوایا کریں۔ طہارت اور پاکیزگی کے لیے سادہ اور صاف کپڑے ہی بہت ہیں۔ میں نے کسے کھانا ہے۔“ اس کے اس ایک جملے میں جانے کیا تھا کہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔ اس لڑکی کے صبر و ضبط اور ضبط نفس نے انہیں بے حد متاثر کیا تھا۔ عبادت گزار، تہجد گزار، دن کی روزے سے ہوتی سارے کام اور حمزہ اس کے علاوہ سرد گرم سہنا اور چپ رہنا۔ اس کا مزاج دیکھ رکھا تھا۔ چپ اس کا شیوہ نہ تھا مگر..... دھیرے سے گہرا سانس لے کر منہ موڑ لیا۔

”اے اللہ! میرے سنگ دل بیٹے کے دل میں رحم و رحمت ڈال دے اس بچی کو خوشیاں لوٹا دے۔“ ان کے دل سے دعا نکلی۔

☆☆☆

”کب تک ماں کو ترسائے گا تو آ کیوں نہیں بابت؟“ خاص طور پر عباد کو نون کروایا رحمن صاحب سے۔

”اس سے ڈرت رہی تھیں۔“

”نعم البدل بھیج تو دیا ہے اپنا۔“ وہ ہنسا۔

”تیرا بچپن ہو سکتا ہے مگر بدل نہیں عباد۔ ماں کی ہاتھ تک ترسے گی۔“

”امی میری جاب.....“

”کیا تو کبھی ماں سے ملنے کی اجازت نہیں دیتی یا

تیرا دل میرے لیے بھی سخت ہو گیا ہے۔“ انہیں طعنے آیا۔

عباد کو ان کے لفظوں نے چونکا دیا۔ (وہ کہتی ہے اب کیا حال ہے۔ اس کی ناگواری، ناراضی کے باوجود گئی نہیں تو) ”آ جاؤ عباد..... ایسا نہ ہو کہ ماں کے مرنے پر بھی زندہ نہ ہو۔“

”اللہ نہ کرے امی کیسی باتیں کرتی ہیں۔“ وہ دہل گیا۔ ”اچھا میں آفس سے چھٹی کی بات کرتا ہوں۔“ تسلی دی۔ ”حمزہ کیسا ہے اس کی تصویر پر تو بھجوائے؟“

”آ کر دیکھ لو..... عباد بھی بھی مجھے لگتا ہے یہ تیرا بیٹا نہیں۔“

”ہیں.....!“ وہ گڑبڑایا۔ (ماں کو سچ کی خبر کیسے ہوئی) ”کیا کہہ رہی ہیں۔“

”بس مجھے لگتا ہے۔“ لہجہ میں یقین تھا۔

”اچھا امی.....! خدا حافظ اپنا خیال رکھیے گا۔ کارڈ ختم ہو رہا ہے۔“ ساتھ ہی لائن کٹ گئی۔ بہت دیر تک وہ کچھ سوچتی رہیں۔

☆☆☆

حمزہ دھیرے دھیرے بڑا ہو رہا تھا۔ اس نے پاؤں پاؤں چلنا شروع کر دیا تھا۔ ما..... ما..... کہنے لگا تھا۔

ما..... اس کی ذات..... اتنا بڑا رتبہ..... اس کی پلکیں بھٹکتی لگیں۔ بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ حمزہ کھٹکھٹا کر ہنسا اور زیادہ زور زور سے ما..... ما..... کہنے لگا اور لاؤنج سے گزرتی راحمہ ٹھک گئی۔ کیسا انداز بے خودی تھا۔ بے اختیار اسے دیکھے گی۔

اس لڑکی کی خاموشی۔ چپ اور استقلال نے انہیں بہت متاثر کیا تھا کام، کام اور کام۔ سر جھکا کر کام کرتا اور چپ رہنا، پلٹ کر جواب نہ دینا۔ کسی زمانے میں یہی کتنی زبان دراز، چب زبان اور جھگڑالو ہوتی تھی۔ اس کی باتیں اور اس کے انداز اور اب اپنے کام سے کام رکھتی تھی۔ عباد کے بغیر کیسے رہی۔ اس کی نفرت تو ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ اس کے بیٹے کو کیسے گود میں بھر لیا تھا حمزہ سے کھیلتے کھیلتے راحمہ بھابی پر نگاہ پڑی۔

”کوئی کام تھا بھابی.....؟“

”آ..... ہاں..... نہیں تو.....“ ان کے انداز

سے الگ ہونے کی غلطی نہیں کر سکتا انہیں سرنگوں کرنا ہی تھا۔ اس لیے گھر کا ماحول قدرے بہتر تھا۔

وہ کھانا ابھی بھی ڈانٹنگ بھیل پران کے حرام بیٹہ کر نہیں کھاتی تھی۔ کھانے کے دوران سرد کرنے میں مصروف رہتی۔ بانی کا جگ، گلاس، بوتل، سالن کے ڈونگے دوبارہ بھر کر لانا۔ روٹیوں کی کمی بیشی وہ احسن طریقے سے پوری کرتی۔ کافی بہتر کھانا پکا لیتی تھی۔ زبیدہ رحمن ساس محسوس کر لیمہ۔ لیمہ اس کے ساتھ رہیں۔ وہ ان کی بے حد شکر گزار تھی۔ ورنہ ساسیں کب یاں بنتی ہیں وہ خود بے حد نفیس اچھی اور مہربان خاتون تھیں۔ شایان ان کی دل سے قدر کرتی تھی۔

☆☆☆

اس روز موسم بے حد سرد تھا۔ بارش کے بعد ٹھنڈک میں اضافہ ہو گیا۔ حمزہ کو فلو اور بخار ہو رہا تھا۔ اسے چیک کرنے لیلی ڈاکٹر خرم اصنہانی گھر آئے تھے۔ موسم کا اثر کہہ کر معمول کی دوا میں دیں۔ سوتے میں بھی وہ سخت بے چین تھا ساری رات اسے گود میں لے کر گزاری مگر ماتھے پر شکن نہیں آئی۔

صبح وہ سو رہی تھی کہ ہلکے ہلکے شور سے آنکھ کھلی حالانکہ آج چھٹی کا دن تھا۔ مانوس ہی آواز پر بے ساختہ اٹھ کر دروازہ کھولا۔ ذرا سا سر نکال کر باہر جھانکا اور وہیں ساکت اور دم بخود ہو گئی۔

نیچے لاؤنج میں عباد بیٹھا تھا۔ امی کی گود میں سر رکھے۔ قدرے فاصلے پر رحمن صاحب تھے، راحہ بھابی قدرے فاصلے پر تھیں۔ ہما اور فیضی صوفے پر بیٹھے تھے۔ امی رو رہی تھیں اور عباد انہیں منار پاتا تھا۔ وہ آگیا تھا جس کے لیے بے تحاشا دعائیں مانگتی تھیں۔ خدا کے حضور گزر گزار اپنے گناہوں کی معافی مانگتی تھی۔ وہ آگیا تھا۔ اس کی دعائیں قبول ہو گئی تھیں یا پھر آسمان کے ایوانوں سے ٹکرا کر پلٹ آئی تھیں۔ بے ساختہ پیچھے ہٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ خالی الذہن صوفے پر بیٹھی دونوں ہاتھ گود میں رکھے۔ ابھی فیصلہ ہو جاتا تھا۔ دھیرے دھیرے ہونٹ کا تکی ساکت و جاہد بیٹھی تھی۔ حمزہ ساری رات کی بے خوابی کے باعث اب گہری نیند میں تھا۔

نوٹ کرتی وہ پھر سے حمزہ سے کھلے گی۔ اس نے آنٹی سارہ کا فون آیا تھا گھر بار ہی تھیں۔ اس نے انکار کر دیا۔ حمزہ اپنی دادی، دادا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عباد کے ساتھ اس گھر میں داخل ہوئی تھی اس کے بعد ایک بار بھی اس نے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ باہر کی دنیا سے گویا اس کا رابطہ منقطع تھا۔ گھر کی دنیا میں پناہ لی ہوئی تھی۔ کیسی سہیلیاں، کہاں کی پارٹیز سب اڑ چھو ہو گیا۔ اس کا اوڑھنا بچھونا اب حمزہ کی ذات ہو گئی تھی۔ رعنا بھابی کا ہر تیر بے اثر رہا۔ عباد کے حوالے سے نہ سہی۔ حمزہ کے حوالے سے ایک بار پھر اس نے قدم جمالے تھے۔ انہیں بھی اپنے خوابوں پر صبر کرنا تھا مگر صبر ہر کسی کے بس کا کام نہیں۔ فاریہ کی شادی ہو رہی تھی۔ اس دن کے امی کے لیکچر کے بعد ان کا روتیہ محتاط ہو گیا تھا۔ انہوں نے الگ سے پلاکرتیوں کو دھکا کر صاف کہہ دیا تھا شایان نے ادھر ہی رہنا ہے اچھی ہے بری۔ عباد کی دلہن ہے۔ کسی کو اس کی دل آزاری کرنے کا حق نہیں جب کہ وہ معافی مانگ چکی ہے اور اس کے رہنے پر کسی کو اعتراض ہے تو وہ الگ آئیگی میں شفقت ہو سکتا ہے۔ شایان کی خاطر اک اور انسلٹ وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئیں مگر احترام بہر حال ملحوظ خاطر تھا۔

”امی! ایسے آپ لوگ زیر دستی اسے رکھ رہے ہیں عباد نے آکر دو حرف کہہ دیے تو پھر کیا کرے گی حمزہ کو بھی آپ نے اس کے حوالے کر دیا ہے۔ مجھے تو یہ سب کچھ سمجھ نہیں آ رہا کیا مقصد ہے۔ ان سب باتوں کا۔“ ناگواری کا صاف اظہار تھا۔

”عباد دو حرف کہہ دیتا ہے یا نہیں..... یہ الگ مسئلہ ہے۔ وہ غلاق دے گا تو پھر گھر بھری اور عاق نامہ لے کر جائے گا۔“ ان کا لہجہ قطعی تھا۔ ”بس میں چاہتی ہوں اس گھر کے تمام لوگ شایان کو دل سے قبول کر کے اس کی دل آزاری کا سبب نہ بنیں۔“ ان کا انداز جیسی تھا سب خاموش تھے۔ ساتھ بیٹے میں جو سہولت تھی وہ الگ رہنے میں کہاں۔ ہر کام کی ذمہ داری بڑ جاتی۔ یہاں تو مختصر کام ہوتا اپنا اپنا..... اور ابھی مل کر کر لیتے پھر اخراجات کی طویل لسٹ۔ رحمن صاحب کی جان تو بچوں میں تھی بچے بھی دادا کے بغیر رہتے نہیں تھے۔ کوئی یہاں

ماہنامہ پاکیزہ

پر بے ساختہ پلٹی۔ ہمارے دروازے میں کھڑی تھی۔
 ”چاچی عباد چاچو آگئے۔“ اس کے چہرے پر
 خوشی تھی۔

”اچھا!“ حمزہ کو سنبھالا۔

”آپ ملیں.....؟“ اشتیاق سے پوچھا اور حمزہ کو
 جھونے لگی۔ ”اتنے پیارے ہو کر آئے ہیں۔ صبح کو سب
 سو رہے تھے اور اب وہ دادو کے کمرے میں سو رہے
 ہیں۔“ وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ ہمارے حمزہ کو لے لیا اور
 باہر چلی گئی۔ کھڑی تین بج رہی تھی۔

”لعنت ہے میری زندگی پر!“ کارپنٹ پر ڈھسے
 مٹی۔ ”لعنت ہے میری زندگی پر!“

کوئی معافی، کوئی کفارہ، کوئی عہدہ قبول نہیں ہوا۔
 کیا وہ اتنی گناہ گار تھی؟ دل و نگاہ سے اترے لوگ بھی
 دوبارہ جگہ نہیں پاتے۔ وقت کے ساحل پر جو سنگریزے
 بکھر جاتے ہیں انہیں کوئی نہیں سمیٹتا۔ وہ کیوں یہاں رہ
 رہی ہے؟ صرف عباد کے انتظار میں اس کی محبت میں چلا
 معافی مانگنے کے لیے اور وہ آگیا تھا۔ معافی نہیں ملی تھی
 ملتی تو یہاں ضرور آتا۔ وہ امی کے کمرے میں آکر سو گیا
 تھا۔ کمرہ کھرا کر کمرے کے در دیوار پر نگاہ کی۔ یہ اماں بھی
 چھنے والی تھی، وہ خالی ہاتھ تھی۔

شدت سے رونے اور سسک سسک کر رونے کی
 خواہش جاگی مگر آنسو مدت ہونے آکھ میں نہیں آئے
 تھے۔ اس کے گلے میں آنسوؤں کے گولے چھنے لگے۔
 سسکیاں سینے میں پھر پھڑانے لگیں، دم گھٹنے لگا۔ سینے کو
 مسلوق، گردن دباتی بے اختیار وہ بالکونی کی جانب
 بھاگی۔ اس کی زندگی کی آکسیجن ختم ہو رہی تھی۔ بھلا
 آکسیجن کے بغیر کوئی رہ سکتا ہے۔ محبت کی آکسیجن.....
 آنکھیں جلنے لگیں۔ زمین پر پڑی وہ یہ مشکل سانس لے
 رہی تھی۔ پیاس..... شدت سے امڈی پیاس سے وجود
 میں بول اگا دیتے اس نے زمین پر بیٹھ کر نڈھال سے
 انداز میں دیوار سے ٹیک لگالی۔ دو بوند پانی کی خواہش
 پوری کرنے والا کوئی نہ تھا۔

جانے کتنا وقت لگ گیا خود کو نارمل کرتے
 سنبھالتے مگر یوں لگا وجود اندر ہی اندر گویا کٹ رہا ہو۔

کمرے کا غیر معمولی سناٹا..... اس کا دھک دھک کرتا
 دل اور گھڑی کی ٹک ٹک۔ نیچے کا دم دم سا شور سنائی
 دے رہا تھا۔

جانے کتنا وقت گزر گیا۔ حمزہ کدوٹ لے کر بیدار
 ہوا۔ بے ساختہ گھڑی کی جانب نگاہ کی۔ گیارہ بج رہے
 تھے۔ دو گھنٹے سے وہ یہاں بیٹھی تھی..... تو..... اس کے
 وجود میں سناٹا پھیلتا چلا گیا۔ حمزہ منہ بسورنے لگا۔ اٹھ کر
 اس کا فیڈر بنایا اور اسے گود میں لے لیا۔ بخار نہیں تھا
 اسے تاہم فلو کے اثر سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ فیڈر پی کر
 وہ ایک بار پھر سو گیا۔ دھیرے سے پیار کیا اور بستر پر لٹا
 دیا۔ ایک بار پھر اکیلی خاموش بیٹھی رہ گئی۔ لاؤنج کا شور
 ڈانٹنگ روم میں منتقل ہو گیا تھا آوازیں گم ہو گئی تھیں۔
 ایک بار پھر صوفے پر گر گئی۔ تو..... تو..... اس کے دل
 کی دھڑکنیں گم ہونے لگیں۔

اسے اماں ملی تھی، معافی نہیں۔ اس کے بدترین
 خدشات..... رعنا بھابی کے واضح نظریات اور..... آئی
 کے خیالات سب مجسم ہو کر سامنے آ گئے تھے۔ عباد آگیا
 تھا مگر اس کے لیے نہیں آیا تھا۔ تو..... تو اس کا وجود
 کانپ گیا۔ بے ساختہ سینے پر ہاتھ رکھا۔ اس کے اندر
 سسکیاں ہی ابھر رہی تھیں۔

وہ اس سے معافی مانگ لے گی۔ قدموں کو چھو کر،
 پیروں میں گر کر۔ اب حمزہ کے لیے معاف کر دے۔ وہ
 وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بے ساختہ اٹھ کر حمزہ
 کے پاس جا بیٹھی۔ اس کا منہ اس کا ہاتھ تھام لیا، چوم لیا۔
 دوسرے لمحے چونک گئی۔

”وہ..... وہ..... حمزہ سے ملنے نہیں آیا۔ میں نہ
 کسی حمزہ تو اس کا اپنا تھا، اپنا بچہ۔ اس کی خاطر.....
 آتا۔“

”اُف تو.....“ ایک چھنا کا سا ہوا۔ ”یہ..... یہ
 اس کا اپنا بچہ نہیں۔“ حمزہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا کئی
 غدشات اور واہے اسے ڈرانے لگے۔ خوف کے
 آنکھوں نے اسے جکڑ لیا۔ حمزہ ایک بار پھر اٹھ گیا۔
 اسے گود میں بھر لیا۔

”اسی لیے تو ادھر نہیں آیا ورنہ.....“ تبھی آہٹ

پیشہ پیکرز

حزہ کو لے کر کوئی بھی آ سکتا تھا۔ اسے اپنا آپ سنبھالنا تھا۔ دھیرے سے اٹھی اپنی ہتھوں کو جمع کیا اور کمرے میں آ گئی۔ دوسرے لمبے وہ چونک گئی۔ کمرے کے وسط میں کردار سے گردن اٹھائے پڑے پر طنز یہ انداز اور ہونٹوں پر استہزاء سیلے لیے رعنا بھابی کھڑی تھیں۔
 ”تمہارا شو ہر آیا ہے۔ تم سے ملنے سالوں کا بن پاس کاٹ کر اور تم اس سے ملنے نہیں آئیں“ وہ ان کو دیکھتی رہی۔

”جس کی محبت اور عشق میں تم نے جل بن مچھلی کی طرح وقت گزارا۔“ اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

”جس کے بچے کو تم نے مامادی۔ ما..... ما.....“ وہ درمیان میں رک کر ہلکی اڑائی۔ ”ماما..... کہلایا اس کا باپ آیا ہے اور تم نے رخ روشن کا دیدار نہیں کرایا۔“ رعنا اس کی ہلکی اڑا رہی تھیں شایان کا سر جھک گیا۔

”میں اسے بچپن سے جانتی ہوں۔ ایسا ہی ہے وہ ہاتھ سے چیز گر جائے تو وہ نہیں اٹھاتا۔ چہ جائیکہ نظر سے.....“ وہ بے حس ہو گئی تھی۔ رعنا بھابی سچ کہہ رہی تھیں۔ ان کے اندازے درست تھے۔ اس کے پاس بولنے کو تھا ہی کیا۔ عرصہ ہو بولنا بھول گئی تھی۔ جب سے اس نے پڑھا تھا اور سنا تھا ایک چپ سو سکھ۔ مبرا انسان کے دلوں کو فتح کر لیتا ہے چپ اور خاموشی سے دلوں کو جیت لیا جاتا ہے۔ رعنا بھابی اس کا تماشا دیکھنے آئی تھیں اور دیکھ رہی تھیں۔ اس نے رذائل اخلاق کو چھوڑ دیا تھا مگر فضائل اخلاق نے بھی اس کی ”رذالت“ کو نہیں دھویا تھا۔ اس کا ماضی آج بھی زندہ تھا۔ اس کے سامنے رعنا بھابی کی صورت میں کھڑا تھا اور اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

”اب کیا کرو گی تم..... اب بھی تو تم جاؤ گی نا.....“ اس گھر سے۔ کیا تھا اگر..... اگر تم پہلے دفعہ ہی چلی جاتی تو..... تو میرے خواب تو پورے ہوتے، میں اپنی بہن کو اس گھر میں لے آتی۔“ وہ کھلے انداز میں اپنی نفرت کا اظہار کر رہی تھیں۔ اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ لفظ، آنسو، سسکیاں سب ختم ہو چکے تھے۔ وہ بولے

ماہنامہ پاکیزہ

جا رہی تھیں۔ زندگی کی سانسیں تمہیں، احساس نہیں، دھڑکنیں تمہیں مگر جذبے نہیں وہ سزا یافتہ مجرم تھی جسے عمر قید کی سزا ہوئی تھی اور عمر قید کی سزا عمر کی نقدی کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے اور عمر کی نقدی.....! دھیرے سے نگاہ اٹھائی۔ جانے وہ کب کمرے سے چلی گئی تھیں۔ ہما، جزہ کو لے کر کھڑی تھی اس کی ساری حسیات مفلوج ہو گئی تھیں۔

”دادو پوچھ رہی ہیں آپ نے کھانا کھا لیا؟“ دھیرے سے اثبات میں سر ہلا کر جزہ کو تھام لیا۔

”چاچو تو بہت گہری نیند سو رہے ہیں۔ اٹھ ہی نہیں رہے۔ چاچو ہم سب کے لیے لکھن لائے ہیں، کہہ رہے تھے کہ اٹھ کر دیں گے۔ اب پتا نہیں کب اٹھیں گے۔“ منہ بسورتی اطلاعات فراہم کرتی وہ باہر نکل گئی۔ جزہ غنودگی میں تھا۔ اس کی گود میں آتے ہی اس کے سینے سے لگ کر سو گیا۔ اسے گود میں لے کر ادھر کارپٹ پر ہی بیٹھ گئی۔

کمرے میں ٹھنڈک اور سینا ساتھ ساتھ بخوسفر تھے۔ شایان سفر کے لیے تیار تھی، اس کا بیگ ہنوز ڈربینک نیبل کی سائڈ پر پڑا تھا۔ ہلکی سی گرد کی تہہ تھی جو اکثر و بیشتر صاف کرتی رہتی تھی۔ اب عرصہ ہوا صاف نہیں ہوئی تھی۔

”کل صبح صاف کر لوں گی۔ اس سے پہلے عباد کہ جانے کے لیے کہے اس کا کمر اخالی کرنا ہو گا کب تک وہ امی کے کمرے میں رہے گا۔ میں خود یہ جگہ، یہ گھر چھوڑ دوں گی اور کتنا گروں گی..... بس! بس.....“ آخری بار..... عباد سے معافی مانگوں گی اپنا فرض پورا کروں گی اس کے بعد اس کے بعد۔“ دھیرے سے جزہ کو ہینچ لیا۔ یہاں سے چلی جاؤں گی۔ پیارے گھر، کسی دارالعلوم میں یا کسی ہاسٹل میں۔ اس دنیا میں کم ہو جاؤں گی۔ ایک نئی دنیا بسالوں گی۔ جزہ یاد آئے گا۔ دوسرے کے بچے کو ساتھ تو نہیں لے جاسکتی نا.....“ آنکھیں موندے جزہ کے بالوں پر چہرہ رکھے وہ خود سے بوجھام تھی۔ اس کے چہرے پر حزن، درد ایک ساتھ جوڑ لیں تھے۔ اس کا تن من درد کی پھوار اور رنج کی بارش سے

ہم رہا تھا۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ احساس قوی ہوتا تھا۔ اب یہاں..... اس کے لیے کوئی نہیں آئے۔ زندگی کی بساط پر وہ دل کی بازی ہار چکی ہے اور اب اس کی زندگی کی شام ہے۔ نیچے لاؤنج میں ایک بار پھر نور کی آوازیں گھنٹے تھپتھپتے تھیں۔ عباد کی آواز بلند تھی۔ ہائے والا جو آ گیا تھا۔ اس کا پر تپاک استقبال تھا۔ ابو نے تھپتھپتے تھے، امی..... وہ چوگی۔

حزہ اٹھ گیا تھا اس کے آگے کھلونے رکھ دیے امی نے کچھ نہیں کہا ہو گا اس کے متعلق مگر عباد جو فیصلہ کر لیا ہے وہ پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔ اس نے کہا ہو گا مجھے زبردستی کے لیے مجبور نہ کریں ورنہ..... ورنہ میں داہیں چلا جاؤں گا۔ مصلحتی ہی سہی امی نے خاموشی اختیار کر لی ہوئی۔ امی اس سے بہت پیار کرتی ہیں مگر جیسا..... مگر مگر مگر تو نہیں تھیں۔ مگر بیٹا آ گیا تھا۔ اس کے بارے میں خاموش رہ کر اسے روکنا بھی تو تھا ماں تھیں کب سے اولاد کے لیے بے قرار..... دعا گو۔ ابو کے تھپتھپتے بلند ہو رہے تھے۔ حزہ منہ بسور نے لگا۔ اسے بھوک لگی تھی۔ مسکٹ نکال کر دھیرے دھیرے اسے کھانے لگی۔ وہ تو یہاں عضو معطل ہے۔ اس کی کسی کو ضرورت ہی نہیں ہے تو وہ یہاں کیونکر قیام کر سکتی ہے۔

نیچے کھانا لگ رہا تھا۔ برتنوں کی آوازیں، پچھوں شور، گلاسوں کی کھٹکھٹاہٹ۔ نو کا گھنٹنا بج گیا۔ ٹیلی ویژن پر خبریں شروع ہو گئیں۔

”آج میں نے عباد کی پسند کا کھانا پکایا ہے۔ عباد کیمبر میں نے بنائی ہے۔ کتنے عرصے بعد آج ڈائننگ ٹیبل کی رونق دوبالا ہوئی ہے۔ میرے بیٹے کی رونق سے ہے۔“ یہ امی کی آواز تھی۔ اسے بھوک تھی نہ پیاس، اور ٹیبل سے بھوک تھی۔ کل حزہ کے بخار کی وجہ سے کھایا نہیں گیا تھا اور آج.....! بھوک پیاس، تو خوشی کے ٹھکانے ہیں اور وہ تو زندہ رہنے کے لیے کھاتی تھی۔ بہادران نہیں کھایا تھا تو طلب بھی نہیں تھی۔ گویا زندہ رہنے کی خواہش بھی ختم ہو گئی تھی اور..... اور، خواہش پر غلبہ نہ دے کر بڑی تھی۔ اسے بلایا بھی نہیں گیا تھا۔ ٹیبل پر کھانا رکھا اور لاؤنج میں منتقل ہو گیا۔

”چاچو میرا گھٹ“

یہ کافی تمہارے لیے عباد۔ یہ کیم چینی والی جائے ابو آپ کے لیے، امی یہ آپ کی ادیس بھائی آپ کے لیے بھی کافی ہے۔ راحہ بھائی کی مکمل سائی ہوئی آواز تھی۔ رعنا بھائی کے ذمہ منی فخرے تھے۔ ہلکی ہلکی موسیقی اور باہمی گفتگو۔ حزہ کھینچے کھینچے پھر سو گیا تھا۔ دھیرے سے بستر پر لا کر اچھی طرح سے بستر ٹھیک کر دیا۔ حزہ سو گیا تھا اس کی معصوم سی مسرور دنیا بھی ختم ہو گئی تھیں۔ گھنٹوں کے گرد بازو لپیٹ کر بیٹھ گئی۔ کرنے کے لیے تھا ہی کیا اور اب تو کچھ کرنا ہی نہیں۔ آس و امید بھی ختم۔

عباد آ گیا تھا۔ فیصلہ ہو گیا، خسارہ اس کے حصے میں آیا تھا۔ صبح آتی کوئوں کروں گی۔ میں آ رہی ہوں، آپ ٹھیک کہتی تھیں۔ زبردستی کے قیام سے دل آباد ہوتے ہیں نا گھر۔ فیصلہ ہو گیا۔“ گھنٹوں پر سر جھکا لیا۔ بے اطمینانی، بے سکونی تن من میں رقص کرنے لگی۔ جانے کتنا وقت گزر گیا سوچے سوچے یا دہنی اور روحانی ٹکان نے نیند کی مدد ہوشی میں جٹا کر دیا تھا۔

جھکے سے آنکھ کھلی۔ سامنے حزہ سو رہا تھا اور گھڑی میں ایک بج رہا تھا گھر میں غیر معمولی سناٹا تھا۔ اک عجیب سا درد اور تکلیف اس کے وجود میں سرایت کرتے چلے گئے۔ گویا اس پر منوں بوجھ پڑ گیا ہو۔ دھیرے سے بہ مشکل اٹھی۔ اسے نیچے جانا تھا۔ حزہ کے فیڈر اور دودھ کے لیے پانی کے فلاسک کو پھر سے بھرنا تھا اور معمول کے کام نمٹانے تھے نیچے جا کر۔ لاؤنج کی ترتیب اور صفائی، کچن سینٹا تھا۔ یہ برسوں سے اس کی ذمہ داری تھی۔ کل وقتی ملازمہ چلی گئی تھی۔

”عباد!“ دھیرے سے دروازہ کھولتے کھولتے رک گئی۔ مڑ کر کمرے میں نگاہ کی وہ جانے کہاں سو یا ہو گا۔ کمرہ بھی تو خالی کرنا ہے سب چیزیں ابھی آ کر کیمچیں ہیں..... صبح..... صبح..... خود سے سو جی دھیرے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اپنی ٹوٹی ہمتوں کو جمع کرتی ریلنگ کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ ہر سو ملگنا سا اندھ تھا۔ سب سو..... جا چکے تھے۔ بہ مشکل نیچے اتر رہی تھی

پکڑ کر اس پر گری گئی۔

اس کے اندر درد کے بھنور سے اٹھ رہے تھے۔ پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔ لمبے بھر کو طبیعت منجھل۔ ساتھ ہی حمزہ کا خانی فیڈر اور جار کھاتا تھا۔ یہ چیزیں اسے اوپر لے کر جانی تھیں اور اس کی ہمت..... دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر فیڈر اٹھا لیا۔ حمزہ کا فیڈر..... دھیرے سے اسے چوم لیا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی بڑھ رہی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر فیڈر اٹھانے لگی اسے اپنا اندر بالکل خالی لگ رہا تھا..... جیسے رگیں کٹ رہی ہوں۔

اس کی ڈنگ لگانی حالت، زرد رنگت، لاغر وجود کو عباد میں عالم تحیر سے دیکھے جا رہا تھا۔ امی نے فون پر بار بار کہا تھا۔ شایان وہ نہیں رہی بہت بدل گئی ہے اور وہ کتنا بدل گئی ہے وہ دیکھے جا رہا تھا۔ وہ تیزی، وہ طراری، وہ متنا، وہ بانگین، چہرے کا غرور شاید مستعار لیا ہوا تھا۔ اس کا اصل یہ تھا کیا..... پھر وہ سب کیونکر بدلی ایسا کیا ہوا تھا۔ یہ تو بھی مل کر پانی بھی نہیں پیتی تھی چہ جائیکہ لاؤنج سے کچن تک کی صفائی۔ وہ دم بخود سادیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

فیڈر بنا کر فیڈر کو دیکھا اور چوم لیا۔ درد اس کے وجود کی طنابوں کو ہلارہا تھا اور اسے برداشت کرنا تھا۔ کوئی خیال رکھنے والا اہم درد مہربان یہاں کوئی نہیں تھا۔ اب تو آس کے جگنو بھی ختم ہو گئے تھے۔ دھیرے سے نیبل پر سر رکھا۔

”بس ایک بار عباد سے سو رہی کہہ کر اس کی زندگی سے نکل جاؤں گی۔ زبردستی مسلط نہیں ہوں گی عباد کو میری کی ضرورت ہی نہیں ہے برے لوگ..... کبھی بھی اچھے نہیں ہو سکتے کیا.....؟“ وہ درد کی لہروں کو اپنے وجود سے گزرتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔ ایک دم یوں لگا جیسے اس کا ذہن سو جائے گا ہمیشہ کے لیے بمشکل دھیرے سے سر اٹھایا۔ آنکھیں جلنے لگیں۔ شاید وہ مر رہی ہے۔ اس کا وجود گویا کٹ رہا تھا اس زندگی سے اس کا واسطہ ختم ہو رہا ہے۔ یہ مشکل چیز بیک سے ٹیک لگا کر خود کو سنبھالا۔

سہل بہل محبت کر ایک درد کی سی کیفیت ابھرا تھی۔ لاؤنج کے صوفوں کے کٹھن، ٹکڑے، اخیار، کاغذ سینے، چائے کے کپڑے میں رکھے۔ مونگ پھلی کے جھلکے سینے۔ لاؤنج کے شیشے کے دروازے کے پاس کھڑا کنبجے اندھیرے میں اندر دیکھا عباد..... سارکت ہو گیا۔

لاؤنج کی ترتیب اور صفائی کر کے شایان کو ز اور برتن لے کر کچن میں جا رہی تھی۔ اتر ہوا چہرہ، کھرا ہوا منگیا سادہ۔ سر کے گرد پلٹا دوپٹا، کچن میں جا کر اس نے فیڈر ہالنے کے لیے رکھا۔ فلاسک دھو کر گرم پانی سے بھرا۔ دودھ کے ڈبے سے دودھ نکال کر چار میں ڈالا۔ حمزہ کا کام پہلے کیا اور چیزیں ڈانگ نیبل پر رکھیں۔ وہ کسی وقت بھی اٹھ سکتا تھا۔ گندے برتنوں کا جھوم بے کراں دھلنے کا خطرہ بین میں پڑا اسے آس و امید سے دیکھ رہا تھا۔ ڈانگ نیبل صاف کر کے، برتن سمیٹ کر کچن میں لے آئی۔ اب لاؤنج اور ڈانگ روم صاف تھا۔

عباد کی حیرت میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ ایک پل کے لیے کام کرتے کرتے وہ لاکھڑائی۔ وجود میں درد سا ہونے لگا۔ بے اختیار سنبھال رہا تھا۔

”یہ کام تمہارا ہے تم ہی نے کرنا ہے کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔“ ایک بار عباد بھائی نے اس کی ذمہ داری لگاتے ہوئے کہا تھا۔ اپنے حوصلے اور برداشت کو ہموار کر وہ دھیرے دھیرے برتن دھونے لگی۔ ہلکی سی بھوک کا احساس ہوا تو ایک گلاس پانی کا پی لیا۔ کبھی گھر کے غیر معمولی سنانے میں مدغم سا احساس ہوا۔ بے اختیار پٹی اور کچن کے دروازے تک آئی۔ شاید حمزہ رو رہا ہے۔ سننے کی کوشش کی مگر حمزہ نہیں تھا۔ پلٹ کر واپس ہوئی۔ درد کی لہر ساتھ ساتھ تھی۔ سارے برتن دھلے تو رات کے تین بج رہے تھے پھر کچن صاف کیا۔ ہر چیز قرینے سے رکھی بوتلیں بھر کر فریج میں رکھیں۔ وہ کام کر رہی تھی۔ انٹ آف کر کے کچن سے باہر آ گئی۔

ابھی اوپر جانے کے لیے لاؤنج سے ہو کر گزرتا تھا نیزہیاں اور اس کا درد..... دھیرے سے سانس لینے راسنوں کو ہموار کرنے کے لیے ڈانگ نیبل کی چیز

ماہنامہ پاکیزہ

”اے اللہ... اے اللہ... بس... تھوڑی سی مہلت۔ بس ذرا سی اتنی کہ میں یہ فیڈر حمزہ کو دے دوں۔ اے بھوک لگے گی۔ وہ اٹھنے والا ہوگا۔“ اس کا دیکھنا غنڈگی میں جانے لگا۔ فیڈر ہاتھ سے پھسلتا ہوا نکلنے لگا۔ بمشکل گرفت مضبوط کی۔ ”حمزہ روئے گا“ درد کا پہلا حادثہ سے لگا پھر ایک دم سے پل بھر میں سکون پھیل چلا گیا۔

”بس اللہ اتنی مہلت کہ میں عباد سے معافی مانگ دوں۔ اگر اس سے معافی نہیں مانگی تو مجھ پر دوزخ بھی حرام ہوگی اور جنت۔“ اک حزن زدہ ہنسی نے بیٹوں کو چھوڑا۔ ”جنت تو نصیب دالوں کو ملے گی میرا تو پورا گناہ گار ہے۔“ درد کی رفتار تھوڑی ٹھہر ٹھہر کر اٹھ رہی تھی۔ فیڈر کو مضبوطی سے تھام کر بمشکل کھڑی ہوئی۔ انہوں نے جان نکل رہی تھی۔

”بس اے اللہ... یہ فیڈر... میں حمزہ کے منہ سے لگا دوں۔ مجھے طاقت دے۔“ بند ہوئی آنکھوں کو کھول کر سامنے دیکھا۔ اسے چندرہ سبز حیاں چڑھ کر رہا تھا۔ چندرہ... سبز حیاں جو دن میں بھی بار اترتی تھی اب ایک قدم چڑھنا محال لگ رہا تھا۔ گھٹ کر قدم دماغ۔ اس کی ہمتیں زمیں بوس ہو رہی تھیں۔ ایک تین چار... لب لبام سبز حیاں تھیں۔ اس کی سانس لینے کی اور... درد کا شدید جھکا لگا۔ بے اختیار نیچے آتی چلی گئی۔ فیڈر پھسل کر در در چلا گیا تھا۔

”اے میرے اللہ... بس...“ نگاہ اٹھا کر دور سے فیڈر کو دیکھا۔ بمشکل دوزانو ہو کر ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا۔ اسے ٹانگوں سے جان ٹکٹی محسوس ہوئی۔ پھر ٹھہر کر سنبھلی ”اے اللہ دو کام نہ سہی ایک ہو جائے فیڈر حمزہ... کو دے دوں۔“ اپنی ہمت کو جمع کر کے کھڑکی... بند ہوئی آنکھوں کو بمشکل کھول رہی تھی کرسی اٹھارے کر کھڑی ہوئی اور... دوسرے لمحے... اسے کمرے سے شخص کو دیکھ کر آنکھیں کھلتی چلی گئیں۔

”س... بابا...“ ہونٹ خشک ہو گئے۔ ہاتھ میں پکڑا فیڈر نیپل پر رکھا اک ٹک... آنکھیں ساکت ہو رہی تھیں۔

اس کا وجود زلزلوں کی زد پر تھا۔ ہلکے شدت سے اٹھ رہے تھے اور لمحہ لمحہ ان میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ان آنکھوں میں اپنا بیت نہیں تھی محبت نہیں تھی خیال دوسرا بھی نہیں تھا اور... اور نہ پچھلی رفاتوں کا کوئی عکس نہیں تھا۔ سنگ دلی سے اٹھی ساکت آنکھیں۔ ساحر آنکھوں میں اس کا لرزتا ہوا عکس ابھار رہا تھا۔

”م... مجھے... عباد... معاف کر دیں۔“ اس نے دونوں ہاتھوں کو جوڑ دیا۔ ”میری غلطیاں، میری کوتاہیاں۔ میر... ے... گناہ۔“ اس کی ہمت نے اس کے قدموں کو تھام رکھا تھا۔

”میں نے کوشش کی... میں اچھی لڑکی بنوں... م... جگر... شاید میں کبھی بھی اچھی نہ بن سکوں۔“ عباد ساکت نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”مجھے آپ کا انتظار تھا۔ بس معاف کر دیں۔ میں... مجھے آپ کا انتظار تھا۔ بس معاف کر دیں۔ میں... میں کل... یہ گھر چھوڑ جاؤں گی۔“ اس کے وجود میں کرچیاں سی چپنے لگیں۔

”مجھے معاف کر دیں... گے... نا...“ اس کے وجود میں کرچیاں سی چپنے لگیں۔

”مجھے معاف کر دیں... گے... نا...“ پھر اگر کرسی کو تھاما۔ ہاتھ فیڈر سے ٹکرایا اور فیڈر اس کی پیٹھ سے در پھسل گیا۔

”تم... ہا... ری طبیعت... خراب ہے۔“ عباد آگے بڑھا۔

”آ...“ نیپل کو تھام کر فیڈر پکڑا۔

”حمزہ... بھوکا... ہو... گا۔ اس نے اٹھنا ہے... یہ فیڈر... اے۔“ دوسرے لمحے اس کا وجود بہکا۔ درد کا جھکا شدید تھا۔ اس کی ہمتیں، قوتیں، درد کے ساحل پر کھرتی چلی گئیں۔ گرتے گرتے اس کا سر نیپل سے، پھر چیز سے ٹکرایا اس کا وجود نیچے گرتے ہوئے سر عباد کے پیروں کے پاس ٹھہر گیا۔ سر سے خون کا فوارہ سا پھوٹ پڑا۔

”یہ فیڈر...!“ اس کے لب... بمشکل آنکھیں کھول کر دیکھا... عباد کے پیر... اس کا رکتا

ہوا۔ دل۔ زور سے دھڑکا۔ دھیرے سے ان پیروں کو
تھام کر سر رکھ دیا۔

”م..... مجھے..... معاف.....“

”شایان..... شایان.....“ اس کا گریٹا وجود.....
اسے حواس میں لے آیا۔ ”شایان..... شہنی.....“ وہ
بھٹکا چلا گیا۔ سرخ گاڑھا، گرم خون اس کے پیروں کو
بھگور رہا تھا۔ اور اس کی تیز آواز..... بلکہ چیخ نے تمام
کروں کے بند دروازے کھول دیئے۔

”کیا ہوا.....؟ کیا ہوا؟“ اسی پل حمزہ زور سے
چیخ مار کر اٹھا اور رونے لگا۔

”کیا ہوا.....؟“

”ہائے!“ زبیدہ رخصت تو وہ دیکھ کر ہی ساکت
ہو گئیں۔ عباد شایان کو ہاتھوں میں اٹھا کر باہر بھاگ رہا
تھا۔ اس کی دانت لی شرٹ سرخ ہو رہی تھی۔

”بھابی..... آئیں جلدی سے.....“ عباد بھی حواس
کھو رہا تھا۔ حمزہ کے رونے کی آواز پھیلتی جا رہی تھی
بھوک کے احساس سے رو رہا تھا یا اس دکھ کو محسوس کر رہا
تھا جو اس کی ماں جیسی ماں سہہ رہی تھی۔

☆☆☆

”ان کو دل کا شدید ایک ہوا ہے۔ اس سے پہلے
شاید انہیں ندوس بریک ڈاؤن کا ایک ہوا ہے ہلکا سا۔
ان کے اندر قوت مدافعت ختم ہو گئی ہے۔ انہیں یا تو ان
کی زندگی بچالے گی۔ یا کوئی مجروحہ..... مصنوعی تنفس کب
تک زندگی دے سکتا ہے۔ آکسیجن پر انسان کب تک رہ
سکتا۔ آکسیجن بھی بمشکل لے رہی ہیں۔“ ڈاکٹر مرتضیٰ
پارٹ سرجن خصوصی نوٹ پر بلوائے گئے تھے پچھلے دس
دنوں سے وہ آئی سی یو میں تھی۔

ڈاکٹر زکوٰۃ کی سلی بخش جواب نہیں دے رہے تھے
اور اس کی زندگی سب کو تنگی عزیٰ تھی۔ وہ دیکھ لیتی تو خوش
سہر جاتی۔ ہر آنکھ اس کے لئے اشکبار تھی۔ حمزہ زور
کر بنا رہا ہو گیا تھا کچھ نہیں کھا رہا تھا۔ زبیدہ خاتون مصلے
سے نہیں اٹھ رہی تھیں۔ اور وہ جو ہمیشہ ان کی قربت اور
محبت کو ترستی رہی جو دیکھ لیتی کہ کیسے اسے شیشے کے پار
سے ترتم، محبت، چاہت سے دیکھ رہے تھے تو شاید کبھی

ماہنامہ پاکیزہ

ہوش میں نہ آتی..... جن آنکھوں کی غیرت، اجنبیت،
گریز، خالی پن اور محبت کی عدم موجودگی دیکھ کر اس کی
طبیعت مزید خراب ہو گئی تھی..... جو دیکھ لیتی، کیسے ان
آنکھوں میں اس کے کھوجانے کا ڈر..... کچھ ہونے کا ڈر،
خوف اور کچھ دہشت آن بسی تھی تو ایک دم سے اپنے
وجود سے تکلیفوں کے بادل کو اڑا دیتی۔ مگر دکھوں کے
بوجھ سے اس کا وجود بوجھل تھا۔ سہارے دور..... امید
اور آس کے جگنو اڑ گئے تھے۔ اور مایوسی تو انسان کو بہت
دور لے جاتی ہے زندگی سے۔

☆☆☆

”عباد، عباد کیا کہا تھا تم نے اس سے۔ میں نے
کہا تھا نا وہ بہت بدل گئی ہے۔ اسے کچھ ہو گیا تو میں۔
میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔ کبھی بات نہیں کروں
گی۔“ زار زار روتے ہوئے زبیدہ رخصت نے کہا۔ عباد
نے بے اختیار انہیں اپنے ساتھ لگایا۔

”خدا کی قسم میں نے اسے کچھ نہیں کہا میں تو اس
سے ملنے کے لئے نکلا تھا۔ کمرے سے باہر لان میں ٹپل
کر اندر آیا۔ وہ کچن میں مصروف تھی۔ میں تو بس اسے
دیکھتا رہا.....“ ماں کے گرد بازو پھیلا کر انہیں اپنے
ساتھ لگائے وہ بھٹکی آنکھوں سے بتا رہا تھا صفائی دے
رہا تھا۔ آنسو گر رہے تھے۔

”کام کرتے، فیڈر بناتے، بوتلیں بھر کر فریج میں
رکھتے وہ بہت ذمے دار اور سو پر لگ رہی تھی اور میں
آپ کی باتوں پر یقین و ایمان لا رہا تھا۔ واقعی وہ بدل
گئی تھی میرے لئے..... میری خاطر میری محبت میں.....
میں حیران بھی تھا۔“ بھٹکی کی پشت سے آنکھیں صاف
کیں۔

”میری عدم موجودگی میں کیا..... میری محبت اتنی
شدید تھی مجھے یقین نہیں آ رہا تھا میں اندر سے خوش تھا
ساری خفکیاں جھٹک کر میں اس کی جانب بڑھا تھا اسے
حیران کرنے کے لئے اسے..... اسے..... یہ خوشخبری
دینے کے تم جیت گئی ہو۔ م..... مگر..... امی..... اس کی
طبیعت خراب تھی۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ
فیڈر حمزہ کو دینا چاہتی تھی۔ میں بے ساختہ آگے بڑھا تھا

سے سنبال لوں۔ اسے جانے کیا ہو رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر زبان ہوتی اس نے یکدم ہی اپنے ہاتھوں کو جوڑ کر طانی مانگی اس کی زرد رنگت بے جان آنکھیں.....
 تنگ ہونٹ۔ میں سناکت تھا اور وہ میری خاموشی کو جانے کیا سمجھی۔ وہ گری۔ اس کے سر سے خون پھوٹ نکلا۔ امی..... ”وہ یکدم ہی پھوٹ پھوٹ کر رو..... دیا۔“
 ”میں نے اسے معاف کر دیا تھا۔ بھی تو اس کی جانب بڑھا تھا۔ میں اسے سہارا دینا چاہتا تھا..... مگر اس نے گرتے ہوئے میرے پیروں پر سر رکھا۔ اپنے گرم ہاتھوں سے میرے پیروں پر لیے تھے۔ اس کے گرم خون کی حدت نے مجھے لرزادیا۔ امی..... میرا یقین کریں میں نے اسے اک لفظ نہیں کہا۔“ زبیدہ رحمٰن نے اپنے آنکھ سے اس کا چہرہ صاف کیا۔ جانے کہاں سے اس کے لیے محبت اٹھ کر آگئی تھی۔ دھیرے سے اس کے بالوں کو میٹھا۔

”تیری محبت نے اسے بدل دیا ہے عباد۔ وہ..... دو تو نہیں رہی تھی۔ ادب، تمیز، تہذیب جانے کہاں سے اس میں سما گئے۔ وہ سب آزادی اور ماضی تہذیب جانے کہاں روپوش ہو گئی۔“ دھیرے سے عباد کا سر گود میں رکھ لیا۔

”نماز..... روزہ..... عبادت بس یہی کام رہ گئے تھے۔ پھر اس نے مجھ سے کام سیکھا، کھانا پکانا..... تمہاری پسند کے کھانے۔ پکائے۔ وہ بہت اچھی تھی ہم لوگ جلد باز تھے۔ جب بچے کو سمجھانے، سکھانے والا کوئی نہ ہو تو وہ جدھر منہ اٹھائے چل پڑتا ہے اب وقت اور زمانہ اسے جو بھی سکھائے اڑتے پتے کو جہاں لے جائے۔ قسمت سے اسے دوست اچھے ملے نہ استاد..... وہ بگڑتی چلی گئی۔“ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے وہ دھیرے دھیرے عباد کو بتا رہی تھیں۔

”اس کی زندگی میں سنوارنے والے ہاتھ تھے نہ دامن..... اس کا تو قصور ہی نہیں تھا۔ برائی میں کشش ہوتی ہے۔ اس نے بری عادتوں کو اپنا لیا۔ مگر برائی..... زیادہ تر سے تک پہنچ نہیں سکتی اگر انسان کا خمیر نیک ہو۔ جب اس گھر میں دوبارہ آئی تو وہ ایک نئی لڑکی کا جہم

لے کر آئی اس کی تربیت میں نے کی۔ وہ بہت خوش تھی۔ مجھ سے باتیں کرتی، روتی ہنستی، میری سبیلی بن گئی۔ رعنا، راہندہ اور ندا نے شاید اسے معاف نہیں کیا حالانکہ اس نے ایک ایک فرد سے معافی مانگی۔ وہ سر جھکائے عاجزی اور انکساری سے رہتی تھی۔ آہستہ آہستہ اس نے گھرداری کے بہت سے کام اپنے فٹے لیے تو بہوؤں نے بہت سے کاموں کا ڈتے دار بنادیا۔ وہ سب کے کام کئے جاتی اور ایک حرف نہ کہتی لگی رہتی تھی۔ شادی کی خبر نے اسے توڑ دیا تھا۔ عباد رحمٰن نے شادی کیوں کی؟“ عباد دھیرے سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔ گہرا سانس لے کر سر جھکایا۔

”تم اسے ہی دوبارہ اپنا لیتے۔ جانتے ہو تمہاری شادی کا مجھے کتنا دکھ تھا کہ ہمارے خاندان میں کبھی.....“

”امی!“ دھیرے سے ان کے ہاتھوں کو تھام لیا۔ ”میں نے دوسری شادی نہیں کی۔ وہ میرے دوست عادل مراد کا بیٹا ہے جس نے وہاں شادی کی تھی بد قسمتی سے روڈ ایکسیڈنٹ میں اس کا انتقال ہو گیا اس کے ماں باپ تو تھے نہیں اس لیے میں نے دوستی نبھائی اور بچے کو اپنے پاس رکھ لیا۔ میں کیسے وہاں بچے کو رکھتا اس لیے اپنا بیٹا کہہ کر یہاں بھجوا دیا۔ ان دنوں کچھ شایان کی وجہ سے دماغ بھی خراب رہتا تھا۔ اس لیے میں نے مشہور کر دیا کہ میں نے دوسری شادی کر لی ہے اور حمزہ میرا بیٹا ہے.....“ زبیدہ رحمٰن اسے دیکھتی رہ گئیں۔ ”اس جھوٹ پر میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔“

”اور اس جھوٹ کو تیری محبت میں کس دل سے نبھایا شایان نے یہ اس کا دل جانتا ہے آفرین ہے اس پر۔ تمہاری شادی کی خبر نے اسے بالکل چپ کر دیا۔ میرا دل چاہتا کہ وہ تمہاری باتیں کرے مگر جانے کیا چیز ایسی تھی جو اس کی آنکھوں میں ٹھہر گئی تھی۔ میرا دل چاہتا وہ روئے وہ یہاں سے چلی جائے مگر اک گہری چپ تھی جو اس کے گرد حصار باندھے کھڑی تھی۔ میکے میں تھا کون جو وہاں جاتی۔ جانے کس چیز نے اسے بدل کر رکھ دیا تھا۔“ عباد انہیں دیکھتا دم بخود ہو رہا تھا۔

”تم نے اسے کچھ نہیں کہا اس کی حالت اتنی

خراب کیسے ہوئی؟ ” تذبذب ہے اسے دیکھا۔
” میں نے واقعی اسے کچھ نہیں کہا امی.....“ انہیں

یقین دلانا وہ خود بے بس ہو رہا تھا۔

”میں عمر کی نماز پڑھ لوں پھر مجھے بھی اسپتال لے کر جانا۔“ دھیرے سے وہ اس کے پاس سے انہیں اس نے دہیں کشن منہ پر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ آنکھوں میں شدید جلن کا احساس ہونے لگا۔

☆☆☆

آئی سی یوروم کے شیشے کی دیوار سے پیشانی ٹکا کر اندر دیکھا۔ آج بھی اس کا وجود بے حس و حرکت تھا۔ آکسیجن ماسک اسے دھیرے دھیرے آکسیجن دے رہے تھے۔ مصنوعی تنفس۔ ڈاکٹر کہہ رہے تھے انہیں کوئی شدید شاک لگا ہے ان کے اندر قوت مدافعت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ قطرہ قطرہ ڈرپس اس کے اندر توانائی پھینک رہی تھی مگر کوئی کوشش باور نہیں ہو رہی تھی۔

”اٹھو دیکھو میں آیا ہوں عباد۔ تمہارا عباد.....“

تمہاری جانب لوٹ آیا ہوں۔ تم جیت گئی ہو۔ تم کہتی تھیں تم جہاں کہیں سے مجھے دیکھتے ہو مجھے محسوس ہو جاتا ہے اب میں تمہیں کتنے گھنٹوں سے دیکھ رہا ہوں تمہیں کچھ نہیں ہو رہا۔ تمہاری محبت میرے وجود میں پھر سے شب خون مارنے لگی ہے۔ میں..... میں پھر سے ”تم“ ہو گیا ہوں۔ اٹھو..... اٹھو یار..... اب..... جاگ جاؤ نا۔“ بے بسی سے مکا دھیرے دھیرے شیشے کی دیوار پر مارنے لگا۔

”میں تو اس دن تمہاری جانب حیرانی اور محبت سے بڑھا تھا کہ ایک دم سے تمہیں اپنے حصار میں لے کر حیران کر دوں گا..... مگر..... مگر تم نے تو مجھے حیران کر دیا..... مجھے..... مجھے کیا معلوم تھا کہ تم اتنی دلبرداشتہ ہو چکی ہو۔ جب میں نے تمہارا یہ روپ دیکھا تھا۔ میں..... میں تو تمہیں پہلے والی شایان ہی سمجھتا رہا۔ کب کسی کی عادت بدلتی ہے مگر..... مگر..... تم نے عادات ہی نہیں اعتبار و محبت بھی بدل دیا۔“ شدت ضبط سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ بے حس و حرکت وجود ابھی بھی ساکت و جامد تھا۔ قطرہ قطرہ اترتا ڈرپ کا پانی

ماہنامہ پاکیزہ

اسے جانے کون سی نوید دے رہا تھا۔ شانے پر دباؤ پر بے اختیار پلٹا۔ ڈاکٹر قاسم کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ ”میرے دوست لگتا ہے تمہیں اپنی جگہ سے بہت انسیت ہے؟“ پُر دقار لہجے میں کہتے اس کے شانے پر اپنا بازو دراز کرتے آگے بڑھے۔ اک حزن سا اس کے چہرے پر پھیل گیا۔

”میں کانی دیر سے تمہیں اپنے روم سے دیکھ رہا ہوں مگر تمہیں تو گویا اپنے ارد گرد کی ہی خبر نہیں۔“ اسے لے کر اپنے روم میں داخل ہوئے اور اسے بیٹھنے کی آفر کی۔

”آج ایک مسٹری تو حل کر دو۔“ مبہم سے انداز میں مسکرائے۔ اس کے سامنے بیٹھ کر دونوں بازو ٹیبل پر رکھ کر اسے دیکھا۔

”ایسا کون سا صدمہ کون سا دکھ تمہاری بیگم کو ملا ہے کہ اس کے اثرات زائل ہی نہیں ہو رہے۔ اتنی کم عمر معصوم سی ہے اور زندگی کی طرف واپس ہی نہیں آ رہی۔“ ڈاکٹر قاسم باہمی مشاورت سے اس مسئلے کو حل کرنا چاہ رہے تھے۔ عباد چند لمحے تک انہیں دیکھتا رہا پھر سر جھکا لیا۔

”محبت تو اس کے دل میں سلامت تھی مگر اس کے دل سے محبت کا یقین اور اعتبار ختم ہو گیا تھا اور زندگی سے یقین و اعتبار ختم ہو جائے تو کیا رہ جاتا ہے پیچھے.....“ اس کی آنکھیں دھواں دھواں ہونے لگیں۔ ڈاکٹر قاسم اس کی تمام کیفیات نوٹ کر رہے تھے۔

”جیتنا نہیں چاہتے یا.....“

”محبت.....! اس کا دکھ محبت ہے وہ مایوسی محبت کا شکار ہو گئی ہے۔“

”اوہ!“ اک دم سے انہیں دکھ ہوا۔ ”کسی بھی چیز کی مایوسی انسان کو مار ڈالتی ہے پر خوردار..... ایسی نوبت کیوں آئی؟“

”اس کے لیے مجھے بہت دور جانا پڑے گا اور فی الحال مجھے صرف اس کی فکر ہے۔ کوئی سہیل کوئی دوا.....!“ تفکر آمیز انداز میں کہا۔

”دعا! صرف دعا اسے بچا سکتی ہے دوا کے

بد۔ اس کا سر جھک گیا۔

”دعا..... کتنے دنوں سے دعا ہی تو مانگ رہے

تھے ای! وہ خود اس کے لیے جذب دل سے دعا مانگنے کی ضرورت ہے۔“ اسے اپنے دل میں ہلکا ہلکا درد سے محسوس ہونے لگا۔ نہیں اسے اس یقین کی ضرورت ہے جو اس کے دل میں تھا اور ریزہ ریزہ ہو کر نکھر گیا۔

”عباد! اس کے کمرے میں جاؤ۔ اسے پکارو..... اپنے ہونے کا یقین دلاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ زندگی کی طرف لوٹ آئے۔“ ڈاکٹر قاسم غلوں دل سے مشورہ دے رہے تھے۔

”ہاں..... شاید..... اسے ایسا ہی کرنا چاہیے۔“

دھیرے سے سر ہلایا اور جب بہت دیر بعد وہ وہاں سے اٹھا تو خاصا ہلکا ہو رہا تھا۔ اس کے اندر اک سکون سا پھیل رہا تھا۔ اضطراب کا اثر ازل ہو رہا تھا۔

☆☆☆

نرس اس کے ارد گرد موجود اس کا کمرہ صاف کر رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ ایسے ہی اس کے پاس کھڑی رکھتی رہتی تھی۔ کتنی کم عمر اور معصوم سی لڑکی اور دل کی مرلیض..... آج اسے کافی دن ہو گئے تھے۔ یہاں ایڈمٹ ہوئے۔ کتنی لگی ہے یہ ہر وقت اس کی محبت میں جتا لوگوں کا ہجوم اس کے ارد گرد رہتا ہے اور اس کا شوہر اسے کیسے دیکھتا ہے آف! اسے جھرجھری آگئی۔ فائل ٹھیک کرتے ہوئے اسے دیکھا۔ دوسرے لمحے چونک گئی۔ اس کے وجود میں جنبش ہوئی تھی۔ اس کا سر ہلاتھا۔ بے اختیار اس کی جانب بڑھی۔ بند آنکھوں پر اضطرابی کیفیت تھی۔ اس کے ہاتھ نے حرکت کی۔ دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اسے ہوش آ رہا تھا اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ اس وقت دروازہ کھول کر ڈاکٹر قاسم اور ڈاکٹر رباب کے ساتھ عباد اندر داخل ہوا۔

”ڈاکٹر..... دیکھیں انہیں ہوش آ رہا ہے۔“ اس نے ایک دم سے آنکھیں کھول دیں۔ چہرہ ماسک سے ڈھکا ہوا تھا۔ ڈاکٹر قاسم نے کلائی تھام لی۔ ڈاکٹر رباب چونک اپ کرنے لگیں اور..... عباد اس کے پیروں کے قریب کھڑا شدید مضطرب سا اسے دیکھ رہا تھا۔

”کیسی ہو؟“ ڈاکٹر رباب نے پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

”ہیلو گرل!“ ڈاکٹر قاسم کا لہجہ خوشگوار تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہنسنا اور محکم کے رنگ نمایاں تھے۔ دھیرے سے آنکھیں بند کر لیں۔

”تم ٹھیک ہو بیٹا خود کو سنبھالو دیکھو یہ سب تمہارے اپنے پاس ہیں تمہارے لیے دعا کر رہے ہیں۔ تمہارے ٹھیک ہونے کی۔“ اس کی چلیں دھیرے دھیرے لرز رہی تھیں۔

”اب تم کیسا محسوس کر رہی ہو بیٹا؟“ ڈاکٹر رباب نے خرم آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”مکھیں کھولو بیٹا!“ مگر ایک بار پھر اس کا دھیان تاریکیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر قاسم نے گہرا سانس لے کر عباد کو دیکھا پھر اس کی فائل اٹھا کر دیکھنے لگے۔ کچھ دوائیوں میں ردوبدل کیا۔ نرس کو ڈرپس میں انجکشن ڈالنے کی ہدایت کی عباد دکھ سے اسے دیکھتا ان کے ساتھ باہر آ گیا۔

☆☆☆

اگلی بار اسے ہوش آیا تو اس کے روم میں کوئی نہیں تھا۔ اس کی تمام حیات الٹ ہو کر جاگ گئیں۔

”وہ زندہ ہے..... کیوں زندہ ہے۔ اس زندگی میں اے اللہ کیا رکھا ہے اب.....“ اس نے چھت کی جانب دیکھا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی وہ مر گئی ہے۔ دنیاوی ضججت سے نجات پا گئی ہے مگر..... مگر..... یکدم بازو کھینچا اور بازو میں لگی ڈرپس کی سوئی کھال بچرتی ہوئی نکل گئی۔ تکلیف کی شدت سے یکدم آنکھیں بھیگیں۔

دوسرے لمحے سارے منظر یاد آ گئے ”حزہ..... حزہ کہاں! کیا ہو گا؟ اسے بھوک لگی تھی اور عباد! عباد! دوسرے لمحے دکھ سے آنکھیں اک جگہ رک سی گئیں۔ سارا منظر سامنے تھا۔ خالی نظروں سے دیکھتا عباد۔ کسی بھی جذبے کا کوئی رنگ نہیں تھا۔ ”تو..... تو پھر میں کیوں زندہ ہوں۔ اے اللہ میں بری لڑکی ہوں اور برے لوگوں کو زندہ رہنے کا حق ہی نہیں۔ بس اب مجھے..... مجھ میں اور سکت نہیں۔“ اس کے آنسو آنکھوں سے نکل کر سیکے میں

جذب ہو رہے تھے اسے یاد تھا اس نے عباد سے معافی مانگی تھی۔ عباد نے اسے معاف نہیں کیا تھا بلکہ تمام تر اجنبیت سے اسے دیکھتا رہا تھا اور اس دکھ نے ہی اس کے وجود کی تکلیف کو بڑھایا تھا۔ وہ گری تھی پھر پھر..... عباد نے اس کے گرتے وجود کو تھا نہیں تھا۔ چوٹ کے احساس نے جسم و جاں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ حیروں پر سر رکھا تھا تب بھی نہیں۔

”تو..... تو پھر میں کیوں زندہ ہوں۔ کس کے لیے زندہ ہوں۔ کیا ہے میرے پاس.....“ آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کی محض میں اضافہ ہو رہا تھا وہ جیسے مار مار کر رو رہی تھی۔ آنسو بہاں ماسک کو کھینچتا چاہا مگر وہ منہ سے نہیں ہٹا۔ بے بسی سے ہاتھ گر گئے۔ آنسوؤں نے رستہ دکھایا تھا۔ اپنی بے بسی اپنے دکھ اپنی تکلیف اور اپنے اکیلے پن پر وہ خود ہی ماتم کھات تھی۔ اسے عمل ہوش آ گیا تھا۔ روتے روتے اس کا وجود نہ حال ہو گیا۔ ایک بار پھر اس کا ذہن فنودگی میں اتر رہا تھا۔ بھی دروازہ کھول کر نرس اندر داخل ہوئی پھر اس نے ایک جھنجھکی..... اب نرس مسیحا کر رہی تھی۔

”ڈاکٹر دیکھیں ان کا چہرہ بیگناہ ہے ایسا لگتا ہے انہیں ہوش آ گیا ہے اور یہ دیکھیں۔“
”گذا دیہ ساری آرزو تھی۔ ان کے اندر کی محض کم ہوگی۔ یہ آنکھیں اسے دو.....“ وہ سب آواز میں سن رہی تھی مگر آنکھیں کھولنے کی سکت نہیں تھی۔ بے پناہ تھا کاٹ نے اپنے حصار میں لے لیا۔ اس کے ہوش میں آنے کی خبر نے زبیدہ خاتون کو نہال کر دیا۔ بے اختیار انہوں نے عجبہ شکر ادا کیا۔ صدقے کے لیے کبرا منگوایا۔

”میری بچی نے بہت دکھ سہا ہے۔“ ان کے لہجے میں محبت تھی۔

اگلی بار جب اس کی آنکھ کھلی تو سارے چہروں کو اپنے ارد گرد دیکھتی رہ گئی۔ اتنی اہمیت..... کیا وہ اس قابل تھی۔ ای! ابوندا بھائی! اوہیں بھائی! عباد اور راحمہ بھابی کی گود میں حمزہ..... اس کے چہرے پر آنسو بہاں ماسک نہیں تھا۔ وہ اک تک انہیں دیکھ رہی تھی۔ امی نے

بے اختیار اسے پیار کیا۔

”کیسی ہو بیٹا۔“ محبت آج بھی سلامت تھی۔

”شایان کیسی ہو؟“ سب پوچھ رہے تھے۔ عباد یکدم سے باہر نکل گیا۔ شایان کی آنکھوں کے کرب باہت اور گہرے اضطراب نے اس کی آنکھوں کو بھگو دیا تھا سحر آنکھوں کی اجنبیت نے اسے گہری کھائی میں گرا دیا۔ اب اسے خود کو سنبھالنا تھا۔ تباہی تھا بلکہ خالی کرائی تھی۔ عباد اس کا نہیں رہا تھا۔ اسے بھی معاف نہیں کرے گا۔ اتنی ضدی تھا۔

”حمزہ کو دیکھا کیسے تمہارے پاس آنا چاہ رہا ہے۔“ راحمہ بھابی نے حمزہ کو اس کے پاس بٹھایا۔ ایک کردہ اس کے اوپر چڑھنے لگا۔ اس کا چہرہ چھوٹے لگا۔ اس کے بازوؤں میں جاں نہیں تھی کہ حمزہ کو اٹھا سکتی یا چھو سکتی تاہم اس کا روم روم پکار رہا تھا۔

”اسے لے جاؤ بیٹا اس کو مبرا آ گیا ہے میرے بغیر جی لے گا میں نے ساری عمر اس کے ساتھ نہیں رہنا۔“ حمزہ اس کے چہرے کو چھو رہا تھا پیار کر رہا تھا۔ اس کے کرب..... دکھ کو بڑھا رہا تھا۔ آنسوؤں نے ایک بار پھر راستہ دکھایا۔ وہ بے آواز رو رہی تھی۔

زبیدہ خاتون نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور ایک بچے کی طرح ان کے سائے میں سمٹ گئی۔ اس وقت آنٹی سارا یاد آئیں۔ وہ جانے کہاں تھیں۔ انہیں خبر تھی یا نہیں۔ پتا..... باپ اس کے وجود سے غافل۔ ابو نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اوہیں بھابی نے قلمی دوی راحمہ بھابی نے الگ کر کے اسے پانی پلایا پھر اپنے ساتھ لگا لیا۔

”مجھے معاف کر دینا شایان۔“ بہت زیادتی تھی ہوئیں ہم سے۔ زبیدہ خاتون بار بار پیار کر رہی تھیں۔ اس کا دل پھر بھر آ رہا تھا۔

”ارے بیٹا یہ کیا ہو رہا ہے یہ مر رہے ہیں اور ان کے گرد اتنا جھوم.....“ ڈاکٹر تاہم اندر آ گئے۔
”ایک ایک کر کے بھائی۔ بہت سیریس معاملہ ہے بھی۔“

”ڈاکٹر صاحب اس کے ہوش میں آنے کی خوش
 آتی تھی کہ بس.....“

”چلیں سب باہر انہیں سکون اور اطمینان کی
 ضرورت ہے۔ آرام چاہیے اور ایک ایک کر کے ملیں۔“
 ڈاکٹر قاسم نے خوشگوار بیت سے کہا۔ سسر شایان کو سہارا
 دے کر لٹانے لگی۔ محبت اور پیار سے دیکھتے ہوئے سب
 رے سے باہر نکل گئے۔ زبیدہ خاتون اس کا ہاتھ
 سے پھٹی رہیں۔

”لگتا ہے بہو سے بہت محبت ہے۔“ فائل رکھ کر
 دیکھا۔

”یہ میری بہو نہیں، بیٹی ہے میں نے اسے کبھی بہو
 ہی سمجھا۔“ دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما (اس میں کیا
 تھا۔ ای کا ساتھ نہ ہوتا تو آج وہ کسی ہاسٹل میں رہ
 تی ہوتی۔ میکے میں تھا ہی کون) ان کا ہاتھ مضبوطی سے
 پکڑ لیا۔

”بہت کئی ہوتم بیٹا تمہاری ساس تمہیں بیٹی کہہ رہی
 ہے۔“ ڈاکٹر قاسم نے مزاحیہ انداز..... وہ ہنس بھی نہ
 سکی۔ اس کا ہاتھ زبیدہ خاتون کے ہاتھ میں لرز کر رہ

”برخوردار کہاں ہیں آپ کے؟“ جاتے جاتے

کہا۔
 ”گھر گیا ہے شاید۔ پہنچ کرنے کچھ آرام کر لے
 کتنے دنوں سے اس کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔“

شایان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس کے پاس.....
 سن گئی..... تو..... تو..... خوش گمانی کے بادل اس
 کو دھونے لگے۔

☆☆☆

آج کتنے دن بعد وہ نہا کر فریش ہوا تھا۔ سوکر نیند
 کی کمی تھی روح کے لیے یہ اطمینان کافی تھا کہ اسے
 مل گیا تھا۔ وہ زندہ تھی اور اب اسے اپنی تمام تر
 باتوں اور زیادتیوں کی معافی مل گئی تھی۔ وہ اتنی بری
 نہیں تھی جتنا اس نے سمجھ لیا تھا۔ غلطیاں کس سے نہیں
 ہوتیں۔ بات اصلاح کی ہوتی ہے کون کتنا درست راستہ
 بتا کر کرتا ہے اسی ٹھیک کہتی تھیں۔ شخصیت کو تربیت کا پانی

سکھ کی بارش
 اب کے سادوں گیارہ
 دل دریا اور آنکھ سمندر
 ہونٹ لڑنے سوکے پتے
 آنکھ کے جگنو برفانی سے
 پوچھ لے کل شکست چرے
 کیسے بے دم روکے لہجے
 میرے مولا!

سکھ کی بارش اب برسات ہے
 خوشیوں کی نئی جوت چھوٹے

شاعرہ: نکی شاہین رحیم یار خان

سورنی

بارش نے
 جب سے مجھ کو پازرب پہنائی ہے
 میں رقص میں ہوں
 اور اتنی خوش ہوں
 اپنے پاؤں کی بدرنگی کو
 دیکھ دو کچھ کے بھول رہی ہوں

پر پھیلائے
 بیکے ہوئے جنگل میں
 مسلسل ناچ رہی ہوں

شاعرہ: پروین شاکر

مرسلہ: فیض احمد خان ملتان

”جی.....!“ بے اختیار مسکرا کر اپنا ہاتھ بڑھایا۔
 ”السلام علیکم“
 ”وعلیکم السلام.....“ کہاں جا رہے ہو؟“ اس نے
 سر جھکا لیا۔“

”ویلڈن“ بہت اچھے۔ صبح سے میں تمہارا منتظر
 تھا۔ یہ بتانے کے لیے اسے بے شک ہوش آ گیا ہے مگر
 اس کی اندرونی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ اس پر اگر ایک
 بار پھر مایوسی کا دورہ پڑ گیا تو اسے ہم بچا نہیں سکتے۔
 آکسیجن کا ماسک بھی نہیں۔ اسے محبت کی آکسیجن کی
 ضرورت ہے۔ اسے تردد تازہ چاہت کی ہوا چاہیے۔“
 اس کے شانے پر بازو دراز کیے دھیرے دھیرے روم
 نمبرالیون کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ”اس کے مرجھائے
 ہوئے وجود کو یقین کی کھاد اور اعتبار کا پانی دو۔“ وہ سب
 دیکھ رہی ہے مگر بولتی نہیں ہے۔“ دھیرے سے اس کے
 روم کے آگے رک گئے۔

”مجھے یقین ہے جب محبت کرنے والے مرد کے
 شانے پر بیوی کے آنسو جذب ہوتے ہیں تو۔“ انہوں
 نے گہرا آنسو رکن سانس لیا۔ تو..... سب کچھ ٹھیک ہو جاتا
 ہے۔“ اس کے شانوں پر محبت سے ہاتھ رکھے۔ وہ ہنس
 دیے۔ ”مجھے یقین ہے کہ تم یہ بازی جیت لو گے۔“
 ”بے شک.....“ مسکرا کر انہیں دیکھا۔ ڈاکٹر
 قاسم نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔

”جائیے۔“ وہ جمل ہو گیا۔ ”مجھے تم سے خصوصی
 انیسٹ ہے۔“ محبت سے اس کا بازو تھاما۔ عباد نے چمکتی
 آنکھوں سے انہیں دیکھا اور چاہتوں کے پھول لیے
 روم میں داخل ہو گیا۔ ڈاکٹر قاسم نے مسکراتے ہوئے
 اپنے روم کی جانب قدم بڑھا دیے۔

☆☆☆

شایان بظاہر آنکھیں موندے لیٹی تھی مگر اس کا
 ذہن اس کا دل اس کی روح جاگ رہی تھی۔ عباد کے
 لیے اس نے کیا نہیں کیا تھا جانے کسی محبت بھی جس نے
 اپنے بچے اس کے وجود میں اندر تک گاڑ دیے تھے۔ اس
 کا ناروا سلوک کج ادائی، گریہ کسی نے بھی تو اسے باطل
 نہیں کیا۔

نہ ملے تو اس کی تعمیر نو کیسے ممکن ہے امی ٹھیک کہتی ہیں وہ
 بہت بدل گئی ہے۔ شے میں اپنا وجود دیکھا۔ کتنا خوش
 تھا۔ اک چمک بھی بے اختیار مسکرا دیا۔ راستے سے پھول
 لیے۔ پلٹتے پلٹتے اس کی نگاہ کونے میں رکھے بیک پر
 پڑی۔ ہلکی ہلکی گرد کی تہہ میں اضافہ ہو گیا تھا۔

شایان کا بیک بے اختیار ہی اسے اٹھا کر بیڈ پر
 رکھا اور کھولا۔ شاپرڈ میں بند اس کے کپڑے جو شاید اس
 نے پہنے ہی نہیں تھے۔ سرخ، سبز اور دھانی کلر کا۔
 اس سے نیچے ایک پیکٹ، گفٹ پیک تھا بے
 اختیار نکلا۔ اس پر نضا منا سا کارڈ تھا۔ دھیرے سے
 کھولا۔

گلاب کی کلی تھیلی پر گر گئی۔ مرجھائی ہوئی باسی۔
 خوشبو اطراف میں پھیلی۔ سیاہ روشنائی سے لکھا تھا۔
 ”میرے ہمسفر تیری نذر ہیں میرے جذب دل کی شدتیں
 میرا خواب میری بصر تیں میری دھڑکیں میری چاہتیں
 میرے روز و شب کے نصاب میں میرے پاس اپنا تو کچھ نہیں
 تیرا فرض ہے میری زندگی میری سانس تیری امانتیں“
 دھیرے سے گفٹ پیک کھولا۔

پرفیوم کٹ اور باڈی اسپرے۔ اتنا پرانا تھا یہ۔
 وہ جا رہا تھا تو امی کے کہنے پر اس کے میکے سے لے کر آیا
 تھا اور دروازے پر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ خواہ مخواہ میں
 آنکھیں بھیگنے لگیں۔ محبت کرنے والوں کے ساتھ اتنی
 زیادتی ٹھیک نہیں..... عباد نے خود کو سرنش کی۔ کارڈ کو
 لبوں سے لگا کر چوم لیا۔

”آئی لو یو..... سوچ“ تمام تر محبتیں پھر سے زندہ
 ہو گئی تھیں مگر وہ سونی کب تھیں۔ انہوں نے تو خشکی کا
 لبادہ اوڑھ لیا تھا اور وہ موسموں کے ساتھ ساتھ دلوں
 نے بدلنا ہی ہوتا ہے۔ دھیرے سے اٹھ گیا۔ اس کی
 محبت کی شدت اس کے تن من میں پھیل گئی۔

☆☆☆

پھولوں کا بو کے تمام کردہ ڈاکٹر قاسم کے روم کے
 آگے سے گزرا تو انہوں نے بے اختیار آواز دے کر
 روک لیا۔

”عباد.....“ وہ بے اختیار پلٹا۔

اس کی محبت وہاں سے شروع ہوتی تھی جہاں سے عباد سے چھوڑ گیا تھا۔ دھکار گیا تھا۔ انسانی نفرت سے اس پر طعنے تشبہ کی بارش کر دی تھی اور وہ پور پور اس کے درد میں بھگتی اسے پکارتی رہ گئی تھی۔ محبت میں انسان دھکا کھا کر گر پڑے یا تو وہ باغی ہو جاتا ہے یا پھر بہت میں مبتلا ہو کر پلٹ پڑتا ہے اور محبت کے پیچھے ہٹا لپکتا ہے۔ عباد اس کے لیے کیا تھا جانے کے بعد احساس ہوا تھا اور یہ احساس اتنا قوی ہو کر اس کے تن میں رقص کرنے لگا تھا کہ وہ سرتا پابدل گئی۔ تمام بری عادتوں کو چھوڑ دیا۔ رعنا بھابی کی حقارت..... راحہ بھابی کی جھکی..... ذومعنی طنزیہ نگاہیں اور نند بھابی کے رویے بھی اس نے عباد کے لیے سبے تھے۔

عباد کے لیے اس نے خود کو ختم کر دیا۔ اپنے اندر کی زندہ لڑکی کو مار دیا۔ کیا اس کی محبت کمزور تھی۔ کیا محبت نے محبت کو اسی شدت سے نہیں پکارا مگر عباد..... عباد کہتا کیوں..... وہ..... وہ تو ان مردوں میں سے تھا

جو ایک بار گزر جائیں تو پلٹ کر نہیں دیکھتے پھر وہ رک کر کیا کرے۔ شدت برداشت سے اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ بیٹوں میں لرزش ہو رہی تھی۔ عباد کی آنکھوں میں کوئی عکس اس کے نام کا نہیں تھا۔ وہ سرری تھی مگر عباد کی آنکھوں میں جذبہ محبت نہیں تھی۔ وہ سرری تھی اس کو سنبھالنے کے لیے آگے نہیں بڑھا اور اس کا خون آلود وجود اس کے پیروں پر تھا۔ اسے تھانے کے لیے وہ جھکا نہیں۔ اس کے وجود میں کوئی عکس اس کے نام کا نہیں تھا۔ تو..... تو کب تک اس کی راہوں میں بھکارن بن کر کھڑی رہے۔ بھکارن!..... آنسو آنکھوں کی دہلیز پار کر گئے۔

محبت کی بھکارن۔ شرق کی وفا شعار بیوی..... مگر..... ضروری نہیں زندگی میں ہر دفعہ ہر چیز اسی مقام پر ملے۔ وہ اب عباد سے کچھ نہیں کہے گی اور یہ گھر چھوڑ دے گی اور اک نئی زندگی شروع کرے گی۔ حمزہ..... حمزہ تو اس کے بغیر رہنے کا عادی ہو گیا ہے.....

جاسوسی ڈائجسٹ

سپیشل ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ

ماہنامہ گزشت

ماہنامہ کش

متحدہ عرب امارات (U.A.E) کے معتز بک سیلز اور قارئین متوجہ ہوں

ادارہ جاسوسی ڈائجسٹ پیلی کیشنز

کی جانب سے میسرز ویکم بک شاپ، دبی کو فوری طور پر

متحدہ عرب امارات (U.A.E)

کے لئے سول ڈسٹری بیوٹر مقرر کر دیا گیا ہے۔

بک سیلز، دکان دار اور ہا کر حضرات مذکورہ بالا ماہناموں کے آرڈر بک کرانے کے لئے فوری طور پر مندرجہ ذیل پر رابطہ کریں۔

WELCOME BOOK SHOP

P.O. BOX 27869, KARAMA, DUBAI.
PHONE: 04-3961016 FAX: 04-3961015 CELL: 050-3059269
E-mail: welbook@emirates.net.ae 050-6245817

”اور تم..... تم کیسے رہو گی..... بچہ کوئی اندر سے بولا۔

”ایسے ہی.....“ اس کی ہچکیاں بندھنے لگیں۔
”جیسے عباد کے بغیر رہوں گی.....“ دونوں ہتھیلیاں
آنکھوں پر رکھ لیں۔

عباد نے حیرت سے اس کے بند کے پاس کھڑ ہو کر آنکھیں بند کیے اس کے روتے، مچلتے، سسکتے وجود کو دیکھا..... امی نے بتایا تھا اس نے کیسے تمہارے لیے خود کو پالش کیا ہے ورنہ عادتیں اس طرح نہیں بدلتیں دھیرے سے پھول اس کے سر ہانے رکھے۔ بند کے سر ہانے ہاتھ رکھ کر دھیرے سے جھکا اور دوسرا ہاتھ اس کے پیچھے ہوئے رخسار پر رکھا۔ اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں اور سارکت ہو گئی۔ خود پر جھکا ہوا عباد..... آنکھوں میں رقم محبت۔ چہرے سے چھلکتا پیار اور اس کے وجود کی محور کن خوشبو..... اس کا لمس۔

”یا اللہ.....“ اس کے ہونٹوں سے لکلا اور دھیرے سے سوچتے ہوئے پونے بند ہو گئے۔

”خواب ہے یا..... حقیقت.....“ خواب ہے تو اتنا بھر پور کہ عباد کا حدت آمیز لمس اس کی پیشانی پر ٹھہرا اک بار پھر آنکھیں کھل گئیں۔

”زندہ..... حقیقت..... عباد“
”کیسی ہو؟“ اس کی انگلیاں سڑگاں خشک کر رہی تھیں۔ وہ اک ٹک اسے دھتکتی رہی۔

”اتنی کمزور دل کی تو نہیں تھیں تم۔“ دھیرے سے پلکوں کو چھوا۔ ”کیا یقین نہیں آ رہا؟“ وہ اسے اپنے ہونے کا اپنے آنے کا یقین دلا رہا تھا اور وہ پور پور بھگتی جاری تھی۔ اس کا وجود بھگ گیا تھا۔

”عباد.....“ وہ سسکتی۔ عباد نے بے اختیار اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور اس کا وجود گویا پھٹ گیا وہ چیخ چیخ کر ردی۔ جانے کب کے کہاں کے رکے ہوئے آنسوؤں نے رستہ دیکھ لیا۔ ”کیوں آئے ہیں امر جانے دیں مجھے بری ہوں میں بہت بری۔“ وہ بھل بھل روئی اور اپنے مضبوط بازوؤں میں لیے عباد اسے اس کا ”اچھے“ ہونے کا یقین دلا رہا تھا۔ اس کا لوشا ہی اس

کے اچھے ہونے کی دلیل تھی۔

مسلسل گریہ کمزوری نقابست نے ایک ساتھ اس پر حملہ کیا۔ دوسرے لمحے وہ ہاتھوں سے سھسکتی بند پر تھی۔
”شایان! شایان!..... شہنی۔“ حواس باختہ ہو کر عباد نے اسے جھنجھوڑ دیا۔

”شہنی..... شہنی آنکھیں کھولو۔ یار اب نہیں..... اب بہت ہو گیا۔ میں.....“ وہ رد دینے والا ہو گیا۔ اسے لٹا کر باہر بھاگا۔ ڈاکٹر قاسم نے آ کر اسے چپک کیا اور سب ٹھیک ہے کی نوید دی۔

”بس بے پناہ خوشی نے انہیں مدھوش کیا ہے۔“
”اوہ! سر! خوشی سے اپنی بھگتی پلکوں کو صاف کیا۔ مسکراتے ہوئے ڈاکٹر قاسم باہر نکل گئے۔ عباد نے پلٹ کر اسے دیکھا اور آگے بڑھ کر اس کے پہلو میں بیٹھ کر اک ہاتھ تمام کر دوسرا ہاتھ اس کے رخسار پر رکھا۔

”شایان..... شایان!.....!“ دھیرے سے پکارا اور اس پکار اس محبت کا تو اسے مدت سے انتظار تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو محبت اسی مقام پر تھی جہاں سے روٹھ کر چلی گئی تھی۔

”زندگی سے محبت کو نکال دیا جائے تو کیا رہ جاتا ہے جان عباد! میں..... میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ لوٹ آیا ہوں۔ صرف تمہارے لیے.....“ لفظوں سے ہی نہیں لمس سے بھی اپنے ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔

”تمہاری جدوجہد تمہاری محنت تمہاری محبت رائگاں نہیں گئی۔ سچی محبت خود بخود ہی خود کو منوالیتی ہے۔“ وہ احساس تشکر سے اسے دیکھے جاری تھی اور اس کی آنکھیں اک بار پھر بھگنے لگیں۔ احساس محبت سے۔

عباد نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس کے شانے سے سر نکا کر بازو پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ نرس شاری کا احساس خلوتوں کے ہم قدم..... رقص کرنے لگا۔

